شیر شاہ سوری کی واحد ہم عصر تاریخ
تواریخ دولت شیر شاہی
(مع فارسی متن)
مع اجینیہ کی ورتہ
از حسن علی خان صدر الصدور شیر شاہ سوری
ترجمہ و تحقیق و حواشی: ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

شیر شاہ سوری کی واحد ہم عصر تاریخ

تواریخ دولت شیر شاہی

مع فارسی متن

(1557ء)

از

حسن علی خان

صدر الصدور شیر شاہ سوری

ترجمہ و تحقیق و حواشی

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

مع

اجیتیہ کی ورتہ (1538ء)

از بودھ راج بیکانیری

ترجمہ و تحقیق و حواشی

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز

ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32، غنی محلہ سنت نگر لاہور۔ پاکستان

Ph: 03004931320

E-mail: zmdin786@hotmail.com

ISBN: 978-969-9124

کتاب کا نام : تواریخ دولت شیر شاہی (مع احمنیہ کی ورتہ)

نام مصنف : حسن علی خان

نام مترجم و محقق : ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

سن تصنیف : 1557

سن اشاعت : 2011

موضوع: i) تاریخ ہند ii) شیر شاہ سوری iii) افغان تاریخ iv) سوانح عمری
v) ٹائٹل vi) نام مصنف vii) بودھ راج بیکانیری viii) نام مترجم

سرورق : ریاظ احمد

ناشر : زاہد محی الدین

بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز

ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32، غنی محلہ سنت نگر لاہور۔ پاکستان

پرنٹرز : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

قیمت : [illegible] روپے

ملنے کا پتہ: ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

ہاؤس نمبر 69-B، صابری اسٹریٹ نمبر 12، صداقت پارک، سانده خورد لاہور

انتساب

والد گرامی

صاحبزادہ مسعود الحسن خان صابری صاحب

کے نام جنہوں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا

جہاں آج میں ہوں

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

اظہار تشکر

اس کتاب کے فارسی متن اور انگریزی ترجمے کی فراہمی کے لیے تین شخصیات نے میرے ساتھ تعاون کیا جن کے تعاون کے بغیر اس کتاب کے موجودہ ایڈیشن کی تکمیل ناممکن تھی۔ وہ تین شخصیات یہ ہیں:

1) ڈاکٹر حسین خان (پشاور) جنہوں نے سب سے پہلے میری توجہ اس جانب مبذول کرائی اور انگریزی ترجمہ کی فوٹو کاپی فراہم کی جو MIQ میں شائع ہوا تھا۔
2) ڈاکٹر حنا محمود صاحبہ (سیمینار لائبریرین شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) جنہوں نے بذات خود دلچسپی لیکر MIQ میں شائع ہونے والا فارسی متن تلاش کیا اور مجھے اس کی کاپیاں فراہم کیں۔
3) ڈاکٹر شعائر اللہ خان (رام پور) جن کی حوصلہ افزائی سے اس کتاب کی موجودہ شکل ممکن ہوئی۔

میں ان تینوں حضرات کا شکر گذار ہوں۔

پیش لفظ

تواریخ دولت شیر شاہی، عہد وسطی کے ہندوستان کا ایک اہم تاریخی مآخذ ہے۔ خصوصاً شیر شاہ سوری کے حوالے سے یہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ شیر شاہ ہندوستان کے علاوہ افغانوں اور ہندی زبان وادب کی تاریخ میں بھی ایک نمایاں مقام لکھتا ہے۔ اس کی سیرت و کردار پر لکھی جانے والی یہ کتاب اس کے رفیق خاص حسن علی خان کا مورخین کے لیے نایاب تحفہ ہے۔ 1557 میں تحریر کی جانے والی اس نادر روزگار تصنیف پر تفصیل سے بحث آگے صفحات میں کی گئی ہے۔ یہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ایڈیشن میں لف دوسری کتاب کا بھی تعارف کرادیا جائے۔

'اجینیہ کی ورتہ' دراصل مشہور ریاست اجین کے ان باشندوں کی تاریخ ہے جنہوں نے بھوج پور بسایا۔ اس میں شیر شاہ کے ہندوؤں سے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے 600 سال قبل بھی افغان کتنے روادار اور روشن خیال تھے۔ 'اجینیہ کی ورتہ' دراصل شیر شاہ کے اعلان تخت نشینی سے قبل تحریری کی گئی جسے شاہجہاں کے دور میں بودھ راج بیکانیری نے دوبارہ مرتب کیا۔ اس طرح سے اس کی اہمیت اور دوبالا ہو جاتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ تاریخ کے بنیادی مآخذات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ دونوں کتابیں بہت مفید ثابت ہونگیں۔ اسی لیے تواریخ دولت شیر شاہی کے اصل فارسی متن کو اس میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب تک رسائی اور اس کی اشاعت کے لیے حوصلہ افزائی کے سلسلے میں جناب

ڈاکٹر حسین خان صاحب (پشاور)، محترمہ حنا محمود صاحبہ (علی گڑھ) اور جناب ڈاکٹر شعائر اللہ خان صاحب (رام پور) کا شکرگزار ہوں۔ بک فورٹ کے زاہد محی الدین صاحب اس حوالے سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کے ادارے کو اس قیمتی کتاب کی اولین اشاعت کا اعزاز حاصل ہے۔

امید ہے کہ قارئین اپنی قیمتی آراء سے نوازیں گے جن کو آئندہ ایڈیشن میں شامل کتاب کیا جائے گا۔

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ
ایڈوکیٹ ہائی کورٹ
69/12 صداقت پارک
سانده خورد، لاہور
0300-4573727
0046-4058805
0321-4235438
e-mail:saudulhassankhan@yahoo.co.in

لاہور
10-01-2011

اختصارات

تواریخ: تواریخ دولت شیر شاہی از حسن علی خان

شیر شاہی: تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی

تزک: تزک بابری یا بابر نامہ از ظہیر الدین بابر

فرشتہ: تاریخ فرشتہ

افسانہ: افسانہ شاہان از شیخ کبیر حزیانی

واقعات: واقعات مشتاقی از رزق اللہ مشتاقی

مشتاقی: ایضاً

گلبدن: ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم

داؤدی: تاریخ داؤدی از عبداللہ خان

مخزن: تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی از نعمت اللہ ہروی

طبقات: طبقات اکبری از ملا نظام الدین

منتخب: منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی

آئین: آئین اکبری از ابوالفضل

خلاصۃ: خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے بھنڈاری

امبستھا: Some Non-Persion Sources of Medieval History

الفنسٹن: The Kingdom of Kabul

فہرست

تفصیلی فہرست

حصہ دوم

فہرست تصاویر و نقشہ جات

شیر شاہ کا
ہندوستان
دہلی
الور
آگرہ
بیانہ
کالپی
اجمیر
جودھپور
راجپوتانہ
مالوہ
آبو
گجرات
احمد آباد
رائسین
مانڈو
اجین
خاندیش
کالنجر
چھتیس گڑھ
اڑیسہ
بنگال
سنبھل
دکن
دہلی : شہر کا نام
پنجاب : صوبوں کے نام
...... : حدود ممالک شیر شاہ

حصہ اول

تواریخ دولت شیر شاہی

مقدمہ

تواریخ دولت شیر شاہی حسن علی خان کی تصنیف ہے۔اور شیر شاہ سوری کے عہد کا واحد ہم عصر ماخذ ہے اس کے علاوہ تمام ماخذ اس کی وفات کے کم از کم 28 سال بعد کی تصانیف ہیں جن میں واقعات مشتاقی، تاریخ شیر شاہی اور افسانہ شاہان قابل ذکر ہیں۔تواریخ دولت شیر شاہی کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے کہ جب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف شیر شاہ سوری کا خاص دوست تھا اور صدر الصدور رہ چکا ہے اور اس طرح سے اس کی معلومات کا اکثر حصہ چشم دید حالات پر مبنی ہے۔مصنف کے بیان کے مطابق وہ شیر شاہ کے ساتھ تب سے ہے کہ جب سے شیر شاہ سوری اپنے والد کی جاگیر کا انتظام کر رہا تھا۔

تواریخ دولت شیر شاہی کا واحد حوالہ ہمیں الفنسٹن کی Kingdom of Caubol میں ملتا ہے:

It is furnished by the Afghan historians themselves, who state that saul was the forty fifth in descent from Abraham, and Kyse the thirty seventh from Saul. The first of the these geneologies is utterly inconsistent with those of the sacred writings, and the second allows only thirty seven generations for a period of sixteen hundred years.(1)

ترجمہ: یہ بات خود افغان مورخین نے بیان کی جو کہتے ہیں ساؤل ابراہیم کی پینتالیسوں پشت میں تھا اور قیس ساؤل سے سینتیس ویں پشت میں تھا۔ان میں سے پہلا نسب نامہ کتب مقدمہ سے بالکل عدم مطابقت رکھتا ہے اور دوسرا والا سولہ سو سال کے لیے صرف سینتیس پشتیں درج کرتا ہے۔

یہاں پر الفنسٹن نے ایک نوٹ بنایا ہے:

This number is from the Tareekhee Sheer Shahee. The

Tareekhee Morussa gives a much greater number, but there it introduces forty five generations between Abraham and Jacob-

ترجمہ: یہ تعداد تاریخ شیر شاہی سے لی گئی۔ تاریخ مرصع میں یہ تعداد بہت زیادہ کہ اس میں تو ابراہیم اور یعقوب کے درمیان پنتالیس پشتیں متعارف کروائی گئی ہیں (2)

یہ بیان 1814 میں کتاب کے پہلے ایڈیشن میں شائع ہوا اور 1838 کے ایڈیشن میں revise ہوا۔

کوئی شخص یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ یہاں ''تاریخ شیر شاہی'' ہے مگر اس حوالے سے بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ تاریخ شیر شاہی کے مصنف عباس خان سروانی ہیں جس میں افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ مخزن سے قبل ہندوستان میں تحریر کی گئیں تمام افغان تواریخ (علاوہ تواریخ دولت شیر شاہی کے) میں افغانوں کے نسب پر بحث نہیں کی گئی۔ ان میں مشہور و معروف واقعات مشتاقی' افسانہ شاہان' تاریخ شیر شاہی، تاریخ داؤدی تاریخ شاہی از احمد یادگار بھی شامل ہیں۔ چنانچہ مخزن میں وضاحت سے ہے کہ

> "اگرچہ پچھلے دور میں سلطان بہلول لودھی کے حالات و واقعات کو خواجہ نظام الدین (ہروی) نے ''تاریخ نظامی'' میں اور شیخ عباس سروانی نے ''تاریخ شیر شاہی'' میں اور مولانا (رزق اللہ) مشتاق دھلوی نے اپنی تاریخ میں اور مولانا محمود بن ابراہیم کا توانی نے اس تاریخ میں جسے اس نے سلطان ابرہیم لودھی کے نام منسوب کیا ہے اور جس کا نام ''تاریخ ابراہیم شاہی'' رکھا ہے' ضبط کیا ہے لیکن ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی اس قوم کے سلسلہ نسب کو کما حقہ بیان کرنے کا التزام نہیں کیا جس سے اس قوم کے حسب نسب کی حقیقت پورے طور پر اور بہ تمام و کمال واضح ہو جاتی"۔(3)

مخزن کے اس بیان کی تصدیق ان کتب کے موجودہ نسخہ جات سے بھی ہوتی ہے جن میں افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس کتاب سے الفنسٹن نے استفادہ کیا ہے وہ تواریخ دولت شیر شاہی ہے نہ کہ تاریخ شیر شاہی نیز تاریخ شیر شاہی کے جو نسخے موجود ہیں ان میں سے کسی میں بھی افغانون کے نسب پر بحث نہ کی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ اس کتاب کا مکمل نسخہ 1814 تک موجود تھا جس سے الفنسٹن نے بھی استفادہ کیا ہے:

سر ایلیٹ نے جب 1847 میں Bibliographical Index to the Historians of Muhammadan India کا پہلا والیم شائع کیا تو اس نے Afghan Dynasty کے عنوان سے درج ذیل کتب کے نام دیئے ہیں:

1 واقعات مشتاقی

2 مخزن افغانی ؟؟

3 مخزن افغانی آف نعمت اللہ

4 تاریخ ابراہیم شاہی

5 تاریخ شیر شاہی

6 معدن اخبار احمدی

7 تاریخ فیض بخش

8 تاریخ شیخ القام بیتی

9 تاریخ افاغنہ

10 تاریخ داؤدی

11 شیر شاہ نامہ(4)

اس فہرست میں درج واقعات مشتاقی، مخزن افغانی، مخزن افغانی از نعمت اللہ، تاریخ شیر شاہی، معدن اخبار احمدی، تاریخ فیض بخش اور تاریخ داؤدی کی تفصیلات موجود ہے۔ تاریخ ابراہیم شاہی اب ناپید ہے۔ تاریخ افاغنہ بھی اب ناپید ہے۔ تاریخ شیخ القام بیتی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں

ہے۔ جبکہ شیر شاہ نامہ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جسے تواریخ دولت شیر شاہی کہتے ہیں۔

اس حوالے سے ہمارے پاس ایک قوی دلیل یہ ہے کہ کتاب ''شیر شاہ نامہ'' کا عنوان یہ حاضر کرتا ہے کہ وہ کتاب صرف اور صرف شیر شاہ کے حالات تک محدود تھی۔ تواریخ دولت شیر شاہی کے ابواب پر نظر ڈالیں (5) اور اس کے بقایا صفحات کا مطالعہ کریں تو دونوں طرح سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بھی صرف شیر شاہ سوری کے حالات درج ہیں۔ شیر شاہ نامہ کا شیر شاہ کے حالات تک محدود رہنا ایسا ہی ہے جیسے بابر نامہ بابر کے اور اکبر نامہ اکبر کے اور ہمایوں نامہ ہمایوں تک محدود ہے۔ ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ ''تواریخ دولت شیر شاہی'' اور ''شیر شاہ نامہ'' دونوں کے ہی حوالے ہمیں کہیں اور نہیں ملتے کیونکہ تواریخ دولت شیر شاہی میں مغلوں پر تنقید کی گئی تھی لہذا اس کتاب کی اشاعت مغلیہ دور میں بند رہی۔ لگتا ہے کہ شیر شاہ نامہ میں بھی ایسا ہی کچھ تھا۔ جو اس کی اشاعت بھی بند رہی۔

کتاب کا نام:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کا اصل نام کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات اور اس کے ٹائٹل سے یہی ظاہر ہوتا کہ اس کے مصنف نے اسے صرف شیر شاہ سوری کے حالات تک محدود رکھا ہے۔ اس لیے اس کا نام ''تواریخ دولت شیر شاہی'' ہی تجویز کیا ہوگا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ البتہ اس کے بعض نسخے ''شیر شاہ نامہ'' کے نام بھی موجود ہوں گے۔ عہد وسطی میں ہمیں اس طرح کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک کتاب کئی ناموں سے شہرت رکھتی ہو خصوصاً افغان تواریخ۔ مثلاً

نمبر شمار	مصنف	پہلا نام	دوسرا نام
1	عباس خان سروانی	تحفہ اکبر شاہی	تاریخ شیر شاہی
2	احمد یادگار	تاریخ شاہی	تاریخ سلاطین افاغنہ

3	ملا نظام الدین ہروی	تاریخ نظامی	طبقات اکبری
4	ابوالفضل	آئین اکبری	اکبر نامہ (حصہ سوم)
5	نعمت اللہ ہروی	مخزن افغانی	تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی
6	شیخ کبیر	افسانہ شاہان	تاریخ افغانی

ایک سے زیادہ نام رکھنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ جن میں سے ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ نئے نام سے لوگوں خصوصاً اہل علم کو دوکاندار پرانے نسخے بیچ کر مالی فائدہ حاصل کریں۔ دوسرا یہ کہ جو کتب ممنوع ہوں تو ان کو دوسرے نام سے بیچا جائے۔ یاد رہے کہ جہانگیر کے دور میں اس طرح کی پابندیاں تھیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی کتاب منتخب التواریخ پر پابندی اس کا ایک ثبوت ہے (6) تواریخ دولت شیر شاہی کے ساتھ بھی یہی بات روا ہوسکتی ہے جس میں مغلوں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ایس ایم امام الدین نے اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہ کتاب بھی مغلوں کے زیر عتاب رہنے کی وجہ سے اس کے نسخے کمیاب تھے (7)

دراصل اس کتاب کا نام "تواریخ دولت شیر شاہی" ہی تھا مگر بعدازاں اسے شیر شاہنامہ کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا جو ٹائٹل اس وقت موجود ہے وہ بظاہر جعلی ہے مگر اس سے کتاب کے مندرجات پر شبہ کی گنجائش نہیں ہے
جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے۔

حسن علی خان مصنف کتاب کے حالات

حسن علی خان کے بارے میں ہمیں بہت کم معلوم ہے۔ جو کچھ اطلاعات ہیں وہ سب تواریخ دولت شیر شاہی کے متن سے ہی ملتی ہیں حسن علی خان قوم کا افغان تھا۔ نیز کتاب کے متن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نسلاً افغان تھا۔ کس قبیلے کا تھا اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

حسن علی خان کے بارے میں تمام تر معلومات کا واحد منبع "تواریخ دولت شیر شاہی" کے باقی ماندہ صفحات ہی ہیں جن کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا جائے گا کہ اس نے کیا کیا کارنامے سرانجام

دیئے۔ یہاں مختصراً اس کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ شیر شاہ سوری اسے بابا کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔
جب شیر شاہ نے اپنے باپ کی جاگیر کا انتظام کیا اس سے پہلے سے حسن علی خان اس کے ساتھ تھا۔
دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ شیر شاہ کو جب اس کی محبوبہ کے باپ جسے سنگھ نے قتل کرنا چاہا تو
حسن علی نے ہی اسے بچایا۔ جب محبوبہ کی موت کے غم میں شیر شاہ نے خودکشی کرنا چاہی تو حسن علی
نے اسے اس سے روکا۔ جب شیر شاہ کو باپ نے جاگیر سے بیدخل کر دیا تب شیر شاہ اسی کے ساتھ
دولت خان لودھی کی خدمت میں آیا

جب شیر شاہ نے حاکم بہار کے ہاں ملازمت کی تو حسن علی خان کو بھی نظارت حال کے عہدہ پر
مامور کر دیا گیا۔ شیر شاہ کے ہاتھوں شیر کے قتل کا واقع حسن علی خان کا چشم دید ہے۔ چند برس کے
بعد جب شیر شاہ بابر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسن علی اس کے ساتھ تھا اور اسی نے شیر شاہ
کو بابر کے خطرناک ارادے سے خبردار کیا اور شیر شاہ کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس کے بعد وہ
ہر موقع پر شیر شاہ کے ساتھ رہا تھا۔ جب شیر شاہ کو سلطنت مل گئی تو اسے خزانے کا انچارج اور
انتظامیہ کا سربراہ مقرر کیا گیا اور ساتھ ہی صدر الصدور بھی مقرر کر دیا گیا۔ اسے امیر آسمان شکوہ اور
بہادر کے خطابات عطاء کیے گئے۔ اس نے شیر شاہ سوری کو بہت مفید مشورے دیئے۔ یہ کتاب اس
نے شیر شاہ سوری کے انتقال کے تین برس کے بعد 955ھ میں تصنیف کی۔ اس پر ایک جگہ 5 ربیع
الاول 955ھ کی تاریخ درج ہے۔ لیکن یہ تاریخ غلط ہے۔ مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مغلوں
کی سلطنت دوبارہ قائم ہونے کے بعد وہ دارالخلافت (دہلی) سے نکل گیا۔ یوں یہ کتاب
1556ء کے لگ بھگ تحریر کی گئی ہے۔

بہر حال مصنف حسن علی خان ایک بہت ہی ہوشیار شخص تھا۔ فہم و فراست میں بڑھ کر تھا۔ شکار کا
گوشت خود پکا لیا کرتا تھا۔ شیر شاہ سوری کے ساتھ بہت مخلص اور وفادار تھا۔ شیر شاہ اس سے اپنے
دل کی ہر بات کہہ دیا کرتا تھا۔ اسے شیر شاہ کے دور میں بہت عزت اور مرتبہ حاصل تھا۔ اس کی
حیثیت شیر شاہ کی حکومت میں وہی تھی جو جہانگیر بادشاہ کے دور میں خان جہان لودھی کی تھی۔ وہ

شیر شاہ کی طرح ایک کم تر متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے ساتھ رہ کر اور اسی کی طرح محنت کر کے وہ ترقی کی بلندیوں پر پہنچ گیا تھا۔ عہد کا پکا تھا۔ شیر شاہ نے لورپور میں جو خزانہ چھپایا تھا حسن علی نے بھی اس کو پوشیدہ رکھنے کی قسم کھائی تھی۔ اور آخر وقت تک اس نے اس کی نشانیاں کسی کو نہیں بتلائی تھیں۔

حسن علی خان تاریخ لکھنے میں غیر جانبدار دکھائی دیتا ہے۔ وہ ہر بات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے خواہ وہ شیر شاہ کو پسند ہوں یا نہ ہوں۔ حسن علی خان ہر اس شخص کا ذکر عزت واحترام سے کرتا ہے کہ جس نے اس کے یا شیر شاہ کے ساتھ کبھی اچھا سلوک کیا ہو۔ ان میں اس کے دو مغل دشمن بھی شامل ہیں جن کے نام ظہیر الدین بابر بادشاہ اور سلطان جنید برلاس شامل ہیں۔ یہ تھا مختصر حال مصنف کا اس کے حوالے سے باقی باتیں ہم کتاب کے متن میں ہی مطالعہ کرینگے۔

کتاب کی اہمیت:

زیر نظر کتاب کئی حوالوں سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے:

۔ یہ شیر شاہ سوری کا ہم عصر مآخذ ہے لہذا شیر شاہ پر اس سے مستند مواد اور کہیں نہیں ملتا۔ دیگر تمام کتب مغل دور میں لکھی گئی ہیں لہذا یہ کتاب بنیادی مآخذ شمار ہوتی ہے۔ البتہ کاتب کے سہو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا

2۔ اس کتاب کا مصنف تمام واقعات کا نہ صرف چشم دید گواہ ہے بلکہ اس نے خود بھی اکثر واقعات میں شرکت کی ہے۔ اس لحاظ سے کتاب کی اہمیت صرف شیر شاہ کی سوانح عمری کی نہیں رہ جاتی بلکہ یہ حسن علی خان کی آپ بیتی بھی بن جاتی۔ یوں اس کو وہی مقام ملتا ہے جو زین خان کی ''واقعات بابری''، جوہر آفتاب چیکی ''تذکرۃ الواقعات''، گلبدن بیگم کے ''ہمایوں نامہ'' اور ابوالفضل کے ''اکبرنامے'' کا ہے۔

3۔ اس کتاب سے اکثر نئی معلومات ملتی ہیں مثلاً شیر شاہ کے عشق کا واقعہ، اس کے والد حسن خان کی جانب سے اس کی برطرفی کی وجہ، بابر کے شیر شاہ سے ہوشیار ہونے اور اس کی گرفتاری کا حکم

دینے کا اصل سبب، لور پورہ کی فتح اور خزانے کی تدفین کا قصہ، شیعہ فرقہ کے لوگوں سے شیر شاہ اور افغانوں کی نفرت، شیر شاہ اور افغانوں کا فقہ حنفی سے تعلق رکھنا، ہندوؤں کے ساتھ شیر شاہ کی رواداری، شیر شاہ کے انتظامی معاملات کی حقیقت، شیر شاہ کی باغیوں کے خلاف کاروائی وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان میں سے اکثر معلومات کی کسی نہ کسی دیگر ذرائع سے تصدیق بھی ہو جاتی ہے۔

4۔ شیر شاہ کے فرامین اور انتظامی امور کہ جن کے بارے میں آج تک معلومات ثانوی مآخذوں سے مختصراً حاصل کی گئیں تھیں وہ اس کتاب سے تفصیل کے ساتھ ملتی ہیں۔

5۔ افغان تاریخ اکثر مغل مورخین کی تعصب کا شکار رہی ہے۔ مغلیہ دور میں مغلوں کے ایماء پر افغانوں نے بھی جو کتب تواریخ لکھی ہیں ان میں بھی کسی نہ کسی طرح سے افغانوں پر بے جا تنقید کی گئی ہے۔ مگر موجودہ کتاب اس تعصب سے آزاد ہے۔

6۔ تاریخ مبارک شاہی (1434ء) سے لیکر عباس خان سروانی کی تاریخ شیر شاہی (1580 یا 1572ء) تک ہمارے پاس تاریخ ہند کا کوئی مقامی ہندوستانی مآخذ نہیں ہے۔ تزک بابری، ہمایوں نامہ، تذکرۃ الواقعات، تاریخ رشیدی وغیرہ سب غیر ہندوستانی مآخذ ہیں جو غیر ملکیوں کے تحریر کردہ ہیں۔ ان حالات میں تواریخ دولت شیر شاہی کے یہ باقی ماندہ اوراق بہت قیمتی سرمایہ ہیں۔ جو واحد ہندوستانی مآخذ ہیں۔

7۔ کتاب میں فارسی کا استعمال بہت اہم ہے۔ موجودہ صفحات میں موجودہ فارسی زبان قابل غور ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک مقامی ہندوستانی نے تحریر کی ہے لہذا وہ کئی جگہ غلط فارسی تحریر کر دیتا ہے۔ مثلاً مسلح افواج' کے حوالے سے لفظ مسلح کی ''مصلح'' درج کر دیتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف یا اس کا کاتب مقامی لوگ تھے۔ ان کے اندر وسط ایشیاء یا ایران کی فارسی کی جھلک نظر نہیں آتی۔ اس سے اقتدار حسین صدیقی کے اس شبہہ کی بھی تردید ہوتی ہے کہ یہ کتاب شاہجہاں کے دور کی جعل سازی ہے (اقتدار صاحب کی تنقید کا

آئیندہ سطور میں جائزہ لیا گیا ہے) ابھی اسبات کی ضرورت ہے کہ اس کتاب کی فارسی زبان کا عہد اکبری کی فارسی کتب کی زبان کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ اسی طرح سے سو سال قبل (تاریخ مبارک شاہی وغیرہ) اور سو سال بعد (مخزن افغانی و شاہجہان نامہ وغیرہ) کی کتب سے بھی اس کتاب کی زبان کے تقابلی مطالعہ کی ضرورت ہے۔

8۔ کتاب میں بہت سے ہندی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے ہمیں اس دور میں ہندی کے چلن کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس سے اردو کے ارتقاء کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

کتاب کا موضوع:

اس کتاب کا اصل موضوع شیر شاہ سوری ہے۔ مصنف نے کتاب کو درج ذیل آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ دیباچہ جس میں مصنف نے اپنے حالات اور عہد ہمایوں تک ہند کے مسلم حکمرانوں کے حالات درج کیے ہیں۔
2۔ باب اول جس میں شیر شاہ کے جد امجد کا تذکرہ اور اس کی پیدائش کا حال درج ہے۔
3۔ باب دوم جس میں شیر شاہ کے ابتدائی حالات اور اقتدار کے لیے اس کی جدو جہد درج ہے۔
4۔ باب سوم جس میں شیر شاہ کی تخت نشینی کے حالات درج ہیں۔
5۔ باب چہارم جس میں تخت نشینی کے بعد شیر شاہ کی فتوحات اور اس کی وفات کا ذکر ہے۔
6۔ باب پنجم جس میں شیر شاہ کی حکومت کے اصول درج ہیں۔
7۔ باب ششم جس میں شیر شاہ کے فرامین کی تفصیل درج ہے۔
8۔ باب ہفتم جس میں عام رعایا کے حالات اور شیر شاہ سے اس کے تعلقات کا ذکر ہے۔

مصنف نے چونکہ کتاب کو آپ بیتی کی شکل میں درج کیا ہے لہذا یہ ایک عام آدمی کے حالات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ کتاب کے باقی ماندہ اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے صرف بادشاہ کے حالات ہی نہیں بلکہ عوام کے حالات، ہندوستان کے معاشرتی ماحول، انتظام حکومت اور

لوگوں کے حالات وغیرہ پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اگر اس کتاب کے مزید صفحات مل جائیں تو پتہ چلے گا کہ اس وقت ہندوستان کی صحیح حال کیا تھی۔

شیر شاہ سوری کے حالات:

چونکہ اس کتاب کا محور شیر شاہ سوری کی ذات ہے لہذا کتاب کے مطالعہ سے قبل شیر شاہ کے حالات پر مختصراً نظر ڈال لی جائے کتاب کے جو اوراق ملے ان میں ربط نہیں ہے بلکہ وہ الگ الگ دو ابواب ہیں لہذا شیر شاہ کے حالات کو قبل ازیں پڑھ لینے سے کتاب کے مندرجات کو صحیح طریقے سے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ذیل میں ہم سبحان رائے کی خلاصۃ التواریخ سے شیر شاہ کے حالات کو نقل کرتے ہیں۔

> بہلول لودھی کے عہد حکومت میں شیر شاہ کا دادا ابرہیم گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا۔ پھر امرا کی نوکری اختیار کی اور موضع نملہ پرگنہ نارنول میں سکونت اختیار کرلی۔ بعدازاں سکندر بن بہلول کے زمانے میں جمال خان حاکم جونپور کا ملازم ہوگیا۔ ابراہیم کے بعد اس کے بیٹے حسن خان نے جو شیر شاہ کا باپ تھا' جمال خان کی ملازمت میں لیاقت وکارگزاری کے جوہر دکھائے اور روز بروز ترقی کرتا گیا۔ قدرت کی طرف سے اس کے عروج وزوال کا سامان اس لیے ہورہا تھا کہ کارکنان قضاوقدرت سلطنت ہند کا فرمان اس کے اقبال مند بیٹے کے نام لکھ چکے تھے۔
>
> قاعدہ ہے کہ جب کسی بلند اقبال بادشاہ کی ولادت کا وقت آتا ہے تو اس کے تولد کی بشارتیں غیب سے ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ چنانچہ جب فرید خاں ماں کے پیٹ میں تھا تو اس عفیفہ نے ایک رات خواب دیکھا کہ چودھویں کا چاند آسمان سے اتر کر اس کی گود میں آبیٹھا ہے۔ آنکھ کھلتے ہی یہ مبارک خواب اپنے شوہر سے بیان کیا۔ حسن خاں نے بے تامل دو تین کوڑے اسے مارے۔ اس بے چاری نے حیران ہوکر پوچھا کہ بے خطا' بے قصور آپ مجھے کیوں مار رہے ہیں؟ جواب دیا کہ اس خواب کو اقبال مند بیٹے کی بشارت سمجھ۔ بزگوں کی ہدایت ہے کہ اگر کوئی نیک خواب دیکھے تو اس رات دوبارہ نہ سوئے ورنہ اس کا اثر زائل ہوجاتا ہے اس لیے میں نے درے لگائے ہیں کہ درد کے

مارے تجھے نیند نہ آئے۔ غرض نیک ساعت سبھ گھڑی میں فرید خان پیدا ہوا چار سال کی عمر تک کہ ایک روز رو رو کر اپنے باپ سے پیسے مانگ رہا تھا۔ کوئی خدا رسیدہ صاحب کشف و کرامت فقیر ادھر سے گزرا۔ فرید خان کو دیکھ کر ہنسا اور زور سے بولا کہ سبحان اللہ! ہندوستان کا بادشاہ دونکوں کے واسطے روتا ہے۔ حسن اس فقیر کامل کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور سمجھ گیا کہ زوجہ نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کے بموجب یہ بچہ ضرور کسی دن ہندوستان کا بادشاہ بنے گا۔

جب فرید خان سن شعور کو پہنچا تو اس کے چہرے مہرے اور اوضاع واطوار سے جہاں بانی وسرداری کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جب جمال خان نے حسن خان کو ترقی دی تو رہتاس کے علاقے میں پرگنہ سہسرام اور ٹانڈہ بطور جاگیر عطا کر کے پانچ سو سواروں کا سردار مقرر کیا۔ فرید خان باپ کی جاگیر کا منتظم ہوا۔ عقل خداداد اور تدبیر صائب سے جائداد کا اتنا عمدہ انتظام کیا کہ سب بندوبست ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ سرکش زمینداروں کی سرکوبی، رعایا کی فلاح و بہبود، زراعت کی ترقی اور دیہات آباد کرنے میں ایسا عقل وشعور دکھایا کہ مالگزاری سوائی ہوگئی۔ سارا علاقہ سرسبز و آباد ہو گیا۔ جو سرکش تھے، دب دب کر باقاعدہ لگان ادا کرنے لگے اور مطیع ہو گئے۔ انتظام وانصرام کے دوش بدوش فرید خان تعلیم بھی حاصل کرتا رہا۔ عربی کافیہ تک دیکھی اور فارسی میں گلستان، بوستان، سکندر نامہ اور دوسری مروجہ کتابیں پڑھیں۔ فرید خان اپنے سب سگے سوتیلے بھائیوں سے بڑا اور عقل و دانش نیز شجاعت و مردانگی میں سب سے ممتاز تھا۔ حکام کی خدمت کا سرانجام اس خوبی سے کرتا تھا کہ ان کی نظروں میں چڑھ گیا۔ ہر شخص اس کی رعایت کرنے لگا۔

جب ابراہیم لودھی مارا گیا اور ظہیر الدین بابر سریر آرائے سلطنت ہوا، فرید خان ان دنوں بہادر خاں ولد دریا خاں کی خدمت میں تھا جس نے ولایت پٹنہ پر قبضہ کر کے سلطان محمد کے خطاب سے حکومت کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا۔ فرید خاں اس کی رکاب میں نمایاں خدمت انجام دیتا رہا۔ ایک روز شکار گاہ میں سلطان محمد کے سامنے کمال دلاوری کے ساتھ تلوار سے شیر مارا۔ اس نے شیر خاں خطاب دے کر مرتبہ بڑھایا۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے اس کے بیٹے بشیر خاں کی جاگیر کا مہتمم مقرر رہا۔ لیکن وہاں اس کا

نباہ نہ ہو سکا۔ ہٹ کر مانک پور میں سلطان جنید برلاس کی ملازمت کر لی جو بابر کا بہنوئی اور نامی گرامی منصب دار تھا۔ ایک مرتبہ اس کے ساتھ بارگاہ شاہی میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اہل دربار کے طور طریقے اپنی آنکھ سے دیکھے۔ دوستوں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ مغلوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا کچھ مشکل نہیں۔ بادشاہ کو شکار اور عیش و عشرت سے فرصت کہاں ہے کہ معاملات سلطنت کی طرف توجہ کرے۔ سارا کام امراء پر چھوڑ رکھا ہے۔ اگر پٹھان باہمی اختلافات دور کر کے متحد ہو جائیں اور میرا ساتھ دیں تو مغلوں کو اکھاڑ پھینکنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس کے دوست یہ بات سن سن کر ہنستے بلکہ مذاق اڑایا کرتے۔

ایک روز بابر کے حسب الحکم سلطان جنید برلاس شاہی دسترخوان پر حاضر ہوا۔ فرید خان اس کے ہمراہ گیا۔ جب ماہیچہ کی قاب سامنے آئی تو سیدھا سادہ پٹھان اس کا کھانا نہ جانتا تھا' بے تامل کمرے سے خنجر نکال' اس کے ٹکڑے کر کے چمچے سے کھانے لگا۔ بابر کو اس کی سپاہیانہ ادا بہت بھائی۔ اپنے داماد میر خلیفہ سے بولا کہ اس افغان نے عجیب کام کیا ہے۔ ایک مرتبہ پھر سلطان جنید برلاس نے شیر خان (فرید خان) کو دو اور پٹھانوں سمیت بابر کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ خدا نے سمیع و بصیر کی طرف سے بادشاہوں کو نور فراست عطا ہوتا ہے۔ لہذا ان کی عقل دوربین ہر واقعے کو مدتوں پہلے دیکھ لیتی ہے

چنانچہ بابر نے ان دونوں پٹھانوں پر تو نوازش کی لیکن شیر خان کے متعلق حکم دیا کہ اس کی آنکھوں سے طراری ٹپکتی ہے۔ قید میں رکھا جائے۔ شیر خان ترکی زبان سے ناواقف تھا لیکن فراست خداداد سے صاف سمجھ گیا کہ بادشاہ کی نیت بدلی ہوئی ہے۔ بابر کے سامنے سے ہٹتے ہی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کیمپ سے بھاگا اور سلطان محمد کے پاس پٹنے پہنچا۔ وہاں اس کا رتبہ بڑھتا گیا' یہاں تک کہ مدار المہام بنا۔ سلطان محمد کا بیٹا اس اثنا میں فوت ہو گیا۔ پھر جب سلطان نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا تو اس کا کوئی وارث باقی نہ تھا۔ شیر خان نے فی الفور حکومت پر قبضہ کیا اور صوبہ بہار پر حکمرانی کرنے لگا۔ طالع کی یاوری اور تلوار کے زور سے آس پاس کے علاقوں پر بھی تصرف

کرلیا۔ شوکت وحشمت اور بڑھی تو صوبہ بنگالہ پر قبضہ کرنے کی خواہش ہوئی۔ ایک نجومی کہ علم نجوم میں کامل اور ستاروں کے قرآن، تثلیث وتسدیس اور ان کے وبال و شرف کا نکتہ داں تھا، نیز اپنے بے خطا علم سے انسان کے گذشتہ وآئندہ حالات پر حکم لگانے میں ید طولی رکھتا تھا، شیر خان نے اسے بلا کر فرمائش کی کہ بنگال پر حملہ کرنے کے لیے کوئی نیک ساعت، مبارک مہورت تجویز کردے۔ اس نے کوئی سعید ساعت تجویز کی بلکہ لکھ کردے دی۔ شیر خان نے اسی ساعت میں کوچ کیا اور بنگال پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا۔ انہی دنوں تاج خان کو جو قلعہ چنار گڑھ کا حاکم تھا، اس کے بیٹوں نے مار ڈالا۔ شیر خان نے کتنیاں بیچ میں ڈالیں اور اس کی بیوہ لاڈ و ملکہ کو پھسلا کر اپنے عقد میں لے لیا۔ اس طرح قلعے پر قبضہ کر کے تمام مشرقی ممالک پر چھا گیا۔ اس اثنا میں بابر کا انتقال ہوگیا۔ ہمایوں تخت نشین ہوا۔ سکندر لودھی کے بیٹے سلطان محمود نے پٹنہ میں آکر حکومت کا جھنڈا بلند کیا۔ شیر خاں نے اس کی اطاعت اختیار کرلی اور دونوں متحد ہوکر جونپور پہنچے۔ حملہ کر کے اسے فتح کیا، اگرچہ یہ فتح چنداں پائدار ثابت نہ ہوئی اور لشکر شاہی نے بہت جلد دوبارہ جونپور چھین لیا۔ 945ھ بمطابق 1538 میں بلا شرکت غیری پٹنہ، بہار بنگالہ پر حکمرانی کرنے لگا۔ طاقت اور بڑھی تو بادشاہی علاقے پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ ہمایوں نے سرکوبی کی توصلح کر کے اپنے بیٹے قطب خاں عرف

عبدالوحید کو فوج سمیت ہمایوں کی خدمت میں بھیج دیا۔ چنانچہ گجرات کی مہم میں وہ حاضر رکاب تھا، موقع پا کر وہاں سے بھاگ کے باپ کی خدمت میں آگیا۔ ہمایوں کو گجرات کی مہم میں زیادہ دیر لگ گئی۔ شیر نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کافی علاقے پر تصرف کرلیا۔

جب ہمایوں گجرات فتح کر کے پلٹا تو شاہی لشکر کو شیر خان کے استیصال پر متعین کیا، پھر خود توجہ کی۔ چنار گڑھ کا قلعہ چھین کر بنگالے کا رخ کیا۔ شیر خان کو مقابلے کا یارا کہاں تھا۔ بنگال سے نکل کر جھاڑ کھنڈی کی طرف چلا گیا۔ قلعہ رہتاس پر راجا چنتامن برہمن کی حکومت تھی۔ بڑی عاجزی سے اسے پیغام بھیجا کہ مغل میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ برے وقت میں ہمسایوں ہی سے امداد و اعانت کی آس رکھی جاتی ہے۔ اگر اس

نازک گھڑی میں میرے اہل وعیال کو قلعے کے اندر پناہ دو تو یہ احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ بھولا بھالا برہمن اس جھانسے میں آ گیا۔ بیگمات اور خواین کو آنے کی اجازت دے دی۔ شیر خان نے ایک ہزار ڈولے ترتیب دیے۔ اگلے محافوں میں کچھ عورتیں بٹھادیں۔ باقی سب میں کارآزمودہ چیدہ چیدہ جان باز مسلح سپاہی بٹھائے۔ دربان اگلے ڈولوں کو دیکھنے بھالنے لگے تو شیر خان نے راجا کو کہلایا کہ معاف کیجیے عورتوں کی بے پردگی مجھے منظور نہیں۔ اسے ان عیاریوں کی خبر نہ تھی۔ ستارہ دولت زوال پر بلکہ غروب کی منزل میں آ چکا تھا۔ دربانوں کو تلاشی لینے سے روک دیا۔ جب تمام ڈولے قلعے میں داخل ہو گئے تو مسلح قوی ہیکل پٹھان علی علی کرتے ان میں سے نکلے۔ راجا کے محل کو جا گھیرا اور قلعے کا پھاٹک کھول دیا۔ وہاں شیر خاں نوک پنجے سے درست تیار کھڑا تھا' فوراً حملہ کیا۔ راجا کے اکثر آدمی کام آئے۔ اس طرح یہ قلعہ جس کی بلندی ومضبوطی کا ہندوستان میں جواب نہیں اور جس پر آغاز میں سے آج تک کسی دشمن کا قبضہ نہ ہوا تھا' بہ سہولت فتح ہو گیا۔

شیر خان نے اس بے نظیر قلعے پر قبضہ کر کے اہل وعیال کو تو وہاں چھوڑا اور خود اطمینان سے بچاؤ کی تدبیریں کرنے میں مصروف ہوا۔ بادشاہ سلامت بنگال پہنچ کر عیش وعشرت میں مشغول ہو گئے۔ برسات نے جل تھل ایک کر رکھے تھے۔ شیر خان نے بنگالے کا راستہ روکا کہ غلے کی رسد اور ڈاک پہنچنے کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ جب ہمایوں بنگالے سے آگرے واپس آتے ہوئے بھوج پور کے پاس خیمہ زن ہوا تو شیر خاں نے بھی اپنے لشکر سمیت وہاں پڑاؤ ڈالا۔ بظاہر اطاعت کے پیغام بھیجے لیکن درپردہ جنگ کے داؤں پیچ کرتا رہا۔ ایک تھوڑے سے پیادے اور کچھ شاگرد پیشہ آتش بازی کا سامان دے وہیں چھوڑے' خود دو منزل پیچھے ہٹ آیا۔ بادشاہی لشکر غفلت میں تھا' اور غافل ہو گیا۔ ہمایوں کا کوکب اقبال تحت الشعاع میں آنے والا تھا اس لیے شیر خاں کی گھات کو نہ سمجھا۔ وہ ایک رات پچھلے پہر کوچ کر کے ایسا مارامار آیا کہ صبح سویرے بادشاہی لشکر کو تلواروں پر رکھ لیا۔ بخفتہ بخت ابھی خواب راحت کے مزے لے رہے تھے کہ پٹھانوں کی تیغ بے زنہار سر پر چمکتی دیکھی۔ ہڑ بڑا کر اٹھے لیکن صف بندی اور معرکہ آرائی کا تو کیا' گھوڑوں پر زین تک رکھنے کا موقع نہ ملا۔ حملہ آوروں نے

ان غافل کو خواب عدم کا مزہ چکھایا۔ ذرا سی دیر میں چاروں طرف مقتولوں کی لاشیں اور بھاگنے والوں کا سامان بکھر گیا۔ جن کی زندگی تھی انہوں نے ادھر ادھر بھاگ کر جان بچائی۔ غرض بادشاہ حقیقی کے فرمان سے شیر خان فتح یاب ہوا اور ہمایوں نے شکست کھائی۔ بڑی سختیاں سہ کر آگرے پہنچا۔ اگلے سال پھر فوج فراہم کر کے قنوج کے مقام پر شیر خاں سے معرکہ آرا ہوا۔ اس مرتبہ بھی تائید ایزدی سے شیر خان نے فتح پائی۔ بادشاہ کو ایسی شکست ہوئی کہ دہلی یا آگرے میں قدم جمانے دشوار ہو گئے۔ لاہور آیا اور چند روز وہاں رہ کر ملتان اور ٹھٹھہ پہنچا۔ شیر خان اس کے پیچھے لاہور تک آیا۔ یہاں اسے اپنے غلام خواص خاں کو جو اس کا سپہ سالار اور شجاعت و مردانگی کے علاوہ سخاوت و نیک نامی میں ایسا شہرہ آفاق تھا کہ آج تک اس کے گیت گائے جاتے ہیں، لشکر گراں دے کر ہمایوں کے تعاقب میں بھیجا۔ وہ ملتان اچ تک پیچھا کر کے واپس ہوا۔ شیر خان گکھڑوں کے علاقے میں پہنچا۔ کوہ بالناتھ کے پاس رہتاس نام کا قلعہ تعمیر کیا۔ دس ہزار سپاہی وہاں مقرر کیے۔ تاکہ گکھڑوں کی سرکوبی کریں اور اگر بادشاہ ادھر کا قصد کرے تو اس کے سد راہ ہوں۔ اس کے بیٹے اسلام خاں نے اس قلعے کی تعمیر مکمل کی۔ شیر خان یہ انتظامات کرنے کے بعد دارالسلطنت آگرے میں آیا اور 947ھ مطابق 1540 میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ رائج کیا۔

رائے سین کا راجا پورن مل سرکشی و عیاشی میں ضرب المثل تھا۔ نفس پرستی کی یہ حالت تھی کہ گانے بجانے والی دو ہزار ہندو مسلمان عورتیں اس کے حرم سرا میں جمع تھیں۔ شیر شاہ کو خبر لگی تو آداب سلطنت اور حمیت اسلام کے تقاضے سے اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ قلعہ رائسین کا محاصرہ کر لیا۔ مدت تک محاصرے اور جنگ کی سختیاں سہنے کے بعد راجا پورن مل نے عاجز ہو کر صلح کر لی اور قول و قرار سے خاطر جمع کر کے درگاہ شیر شاہی میں حاضر ہوا۔ علما نے فتوی دیا کہ اس کافر نے مسلمان عورتیں اپنے تصرف میں رکھ چھوڑی ہیں لہذا عہد و پیمان کے باوجود اسے قتل کر دینا جائز ہے۔ شیر شاہ نے حصول ثواب کی نیت سے فوج ترتیب دے کر جنگ شروع کی۔ راجپوتوں نے بھی مرنے مارنے کی ٹھان لی۔ جان سے ہاتھ دھو کر عورتیں بچوں کو جوہر کر کے مسلمانوں کی تلواروں اور ہاتھیوں کی صفوں پر جا پڑے اور ایسی دلیری دکھائی کہ لوگ رستم و اسفند

یار کے کارنامے بھول گئے۔ شیر شاہ کے بے شمار سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ راجا پورن مل نے اپنے جاں نثاروں سمیت کمال تہور کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔ چنانچہ اس کی جاں بازی کے قصے آج تک ہندی دوہوں کی شکل میں لوگوں کو میں مشکور ہیں۔

قلعہ رائے سین کی تسخیر کے بعد شیر شاہ آگرے واپس آیا اور کسی سخت عارضے میں مبتلا ہوا۔ صحت یابی کے بعد رائے مال دیو پر فوج کشی کی جو اجمیر جودھپور اور میرٹھ پر حکمران تھا اور پچاس ہزار سپاہی اس کے جھنڈے تلے حاضر رہتے تھے۔ کئی معرکے ہوئے لیکن شیر شاہ کی پیش نہ گئی۔ آخر ناخن تدبیر سے گرہ کھولی، یعنی کچھ ایسے جعلی خط جن میں راجپوت سرداروں نے شیر شاہ کی اطاعت اور رائے مالدیو سے دغابازی کا اقرار کیا تھا، تیار کر کے قاصدوں کے حوالے کیے۔ اسی طرح چند ایسے فرمان جن میں اس نے رائے مال دیو کے ارکان حکومت کی دل جوئی کر کے انہیں اپنے راجا کو قید کر لینے کی ہدایت کی تھی، لکھوائے۔ قصداً ایسی ترکیب کی کہ یہ سب خطوط رائے مال دیو کے آدمیوں کے ہاتھ لگے، اس نے جو ان کا مضمون سنا تو اپنے سرداروں سے برگشتہ ہو گیا اور لشکر میں نا اتفاقی پھیل گئے۔ اب جو شیر شاہ نے لڑائیاں شروع کیں تو فتح یاب ہوا۔ اجمیر کو تسخیر کر کے دہلی واپس آیا۔

واضح ہو کہ جنگ بھوج پور میں ہمایوں کی بڑی ملکہ حاجی بیگم شیر شاہ کی قید میں آ گئی تھی۔ اس نے شرافت و اہلیت سے کام لے کر اس عفیفہ کو عزت و حرمت سے رکھا۔ بعد ازاں جب خراسان وغیرہ سے پھر کر ہمایوں نے کابل میں قیام کیا تو شیر شاہ نے اس عصمت مآب کو بہ حفاظت اعزاز واحترام کے ساتھ کابل بھجوا دیا اور اپنی شرافت و آدمیت کا ثبوت دیا۔ بہت نیک ذات اور فرخندہ صفات انسان تھا۔ عقل و دانش میں یکتا اور ملک گیری و جہاں بانی کی تدبیروں میں یگانہ آفاق تھا۔ رعیت کی فلاح و بہبود اور آرام و آسائش ہمیشہ مدنظر رکھتا۔ اس کے ساتھ فیاضی وسخاوت اور عدل وانصاف کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ نوشیرواں کا نام بھول گئے۔ اس کی عدالت میں اپنے پرائے، امیر وغریب سب برابر تھے۔ عدل وانصاف کے معاملے میں کسی کی رعایت نہ کرتا۔

مشہور ہے کہ ایک روز شاہزادہ عادل خان کہ ولی عہد تھا، ہاتھی پر سوار آگرے کے ایک کوچے سے گذر رہا تھا۔ کوئی ہندو عورت اپنے گھر میں نہا رہی تھی۔ دیواریں نیچی تھیں،

شاہزادے نے اس حسینہ کو برہنہ دیکھ کر پان کا بیڑا پھینکا اور اس دلفریب منظر سے لطف اندوز ہوتا ہوا بڑھ گیا۔ وہ عصمت پرست اس بات کی تاب نہ لائی کہ ایک بیگانہ مرد اسے ننگا دیکھے۔ جان کھونے پر آمادہ ہوگئی۔ اتنے میں اس کے شوہر نے آ کر یہ حال سنا۔ عورت کو سمجھا بجا کر خودکشی سے باز رکھا اور خود وہی بیڑا ہاتھ میں لیے فریادیوں کے گروہ میں جا کھڑا ہوا۔ شیر شاہ سے سب حال کہہ سنایا۔ اس نوشیروان وقت نے یہ ماجرا سن کر بہت افسوس کیا۔ پھر انصاف کی لاج رکھنے کے لیے حکم دیا کہ بقال کو ہاتھی پر سوار کریں اور عادل خان کی بیگم کو اس کے سامنے برہنہ لائیں تا کہ بقال وہی بیڑا اس کی طرف پھینکے۔ امیروں وزیروں نے اس حکم کو منسوخ کرانے کے لیے بہت التجا کی لیکن شیر شاہ نے ایک نہ سنی اور کہہ دیا کہ انصاف کے معاملے میں رعیت اور بیٹا دونوں برابر ہیں، رعایت نہ ہوگی۔ میں اپنے بیٹوں کی ناہنجار حرکتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ آخر کار یہ انصاف دیکھا کہ وہ بقال راضی ہوا۔ عرض کیا کہ میں اپنی داد کو پہنچ گیا۔ اس سے زیادہ چارہ جوئی نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کا امن وامان اور رعیت کی بہبود عدل پر منحصر ہے۔ بادشاہ کے لیے سب سے بڑی ناموری یہی ہی کہ اسے عادل کہا جائے۔ یہی وہ صفت ہے جس کی بدولت نوشیرواں کا نام نیک آج تک باقی ہے۔

شیر شاہ نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے قوانین رائج کیے۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے قاعدوں کو جو ''تاریخ فیروز شاہی'' میں درج ہیں ضابطہ سلطنت قرار دیا۔ گھوڑوں کو داغ کرنے کا طریقہ کھعلاء الدین کی ایجاد ہے، لیکن رواج پذیر نہ ہو سکا تھا، شیر شاہ نے اسے از سر نو رائج کیا۔ بنگال سے رہتاس (مغربی پنجاب) تک کہ ایک ہزار پانچ سو کوس کا عرصہ ہے، دو دو کوس کے فاصلے سے سرائیں آباد کیں۔ ہر سرائے میں ڈاک چوکی کے دو گھوڑے تیار کھڑے رہتے تھے۔ بنگالے کی ڈاک دو تین روز میں رہتاس پہنچتی تھی۔ یہ بھی مقرر تھا کہ جب شیر شاہ دستر خوان پر بیٹھتا تو نقارہ بجایا جاتا۔ وہیں بنگال سے رہتاس تک تمام سراؤں میں اور دوسری شاہراہوں پر نقارے بجتے چلے جاتے۔ ہر سرائے میں مسلمان مسافروں کو کھانا اور ہندوؤں کو آٹا دال گھی تقسیم کر دیا جاتا۔ اس طرح ہزاروں مسافر شاہ عالم پناہ کی سخاوت سے فیض پاتے ہوتے۔ تہی دست مسافر پیٹ بھرتے اور بسہولت اپنی اپنی منزل پر پہنچ جاتے۔ ایک عالم اس کے

جو دوسخا سے فیض پاتا۔ سڑکوں پر دوطرفہ میوہ دار درخت لگوائے تا کہ ان کے سائے میں مسافر آرام کے ساتھ کھیلتے کھاتے راہ طے کریں۔ یہ بھی حکم تھا کہ دریائے سندھ سے دہلی تک پٹھانوں کی بستیاں بسائی جائیں تا کہ اگر کابل سے مغل حملہ آور ہوں تو سد باب کرسکیں۔ اس کے عہد میں امن وامان کا یہ عالم تھا کہ بوڑھی عورت سونا اچھالتی چلی جاتی تھیں، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔

کہتے ہیں کہ شیر شاہ جب آئینہ دیکھتا تو افسوس سے کہا کرتا کہ منزل پر بہت دیر سے پہنچا۔ مراد یہ کہ بڑھاپے میں سلطنت نصیب ہوئی۔ مشہور ہے کہ جس روز دہلی میں داخل ہوا، ایک کنجڑن یوں بولی کہ دہلی کو شوہر تو ملا لیکن بوڑھا۔ شیر شاہ نے یہ سن کر گھوڑے کو اڑایا۔ تب وہ عیار بولی کہ بوڑھا سہی لیکن ہے خوب۔ آخر عمر میں شیر شاہ نے قلعہ کالجز کا محاصرہ کیا تھا۔ دبابے تیار کر کے باروت کے ڈبوں کو آگ لگا کر قلعے میں پھنکوانا شروع کیا۔ ناگہاں ایک ڈبہ فصیل سے ٹکرا کر واپس آیا جس سے سارا میگزین بھڑک اٹھا، کتنے ہی سپاہی ہلاک ہوئے۔ خود بھی قریب تھا اس لیے سارا بدن جل گیا۔ جب تک زندگی کی رمق باقی رہی فوج کو ہدایات جاری کرتا رہا۔ غرض ادھر قلعہ فتح ہوا ادھر اس کا دم نکلا۔ خیر خواہوں کو سخت صدمہ ہوا کہ وہ فرماں روا جس کے انصاف سے شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے، جہان سے رخصت ہوا۔ ''ز آتش مرد'' سے تاریخ وفات 952ھ مطابق 1545 نکلتی ہے۔ بیس سال چند ماہ جہاں بانی کی جس میں پندرہ سال امارت وسرداری کے اور پانچ سال دو ماہ سلطنت ہند کے ہیں۔ (8)

عہد وسطیٰ کے مورخین نے اس کتاب سے استفادہ کیوں نہیں کیا؟

فطری طور یہ سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مغلیہ دور کے مورخین نے اس کتاب سے استفادہ نہیں کیا خواہ وہ مغل ہوں یا افغان ہوں یا غیر مسلم ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب عہد سوری کے بعد تحریر کی گئی تھی۔ مصنف خود دہلی کا ساکن تھا۔ اور دہلی ان دنوں میں پر آشوب دور سے گذر رہا تھا۔ شاید مصنف کو اتنا وقت نہ ملا کہ وہ اس کتاب کی باقاعدہ اشاعت کرسکتا۔ سوری دور کے آخر میں ہمیں علم وادب کی ترقی کے حوالے سیب ہت کم معلومات ہیں۔ علم وادب کی باقاعدہ

سرپرستی تب شروع ہوتی ہے کہ جب اکبر کی حکومت کو استقلال ہو گیا ہے اور پھر مغل مورخین نے کتب تواریخ تحریر کی ہیں یا مغل مغلوں کے ایماء پر کتب تحریر کی گئی ہیں۔ ان میں ہمایوں کو پارسا اور شیر شاہ کو چالاک آدمی کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔ پھر بھی افسانہ شاہان اور واقعات مشتاقی جیسی کتب جو غیر درباری مورخین نے لکھی ہیں ان میں شیر شاہ کی اصل شکل سامنے آتی ہے۔

ان حالات میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ لوگ چڑھتے سورج کو سلام کرتے ہیں۔ شیر شاہ اور اس کے وارثان ختم ہو چکے تھے۔ اگر کوئی سوری تھا بھی تو بھی اس سے کسی کو فائدہ نہ تھا لہذا لوگوں نے موجودہ حکمرانوں کی تعریف و توصیف پر توجہ دی۔ ان حالات میں یہ کتاب گوشہ گمنامی میں پڑی رہی۔ خود اکبر بادشاہ کو اس کا علم نہیں تھا لہذا اس نے عباس خان سروانی سے تاریخ شیر شاہیت حریر کروائی تا کہ اسے شیر شاہ کے حالات اور نظام حکومت سے آگہی ہو سکے۔

ان حالات میں اس کتاب کے گوشہ گمنامی میں رہنے کی وجہ سے مورخین کی توجہ سے یہ محروم رہی۔ علاوہ ازیں چونکہ یہ کتاب شیر شاہی درباری کی تحریر کردہ تھی لہذا شاہی کتب خانے میں پڑی رہی اور جب مغلوں نے حکومت پر پھر سے قبضہ کر لیا تو دہلی کا کتب خانہ ان کے قبضہ میں چلا گیا۔ کتاب کی باقاعدہ تشہیر تو ہوتی نہیں تھی کیونکہ یہ انتشار کے دور میں لکھی گی تھی لہذا خواص نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور عوام کی رسائی تو شاہی کتب خانے تک تھی ہی نہیں۔

جو کتب سرکاری سرپرستی میں لکھی گئی مثلاً تاریخ شیر شاہی یا تاریخ شاہی یا مخزن افغانی وغیرہ ان کی تشہیر بھی خوب ہوئی لہذا آنے والے مورخین نے ان ہی سے استفادہ کیا۔

جو کتب سرکاری سرپرستی سے محروم رہیں ان پر کسی نے توجہ نہ دی۔ واقعات مشتاقی اور افسانہ شاہان بھی ایسی ہی کتب ہیں۔ جن کے شاذ و نادر حوالے ملتے ہیں۔ عہد انگریزی تک مورخین اور مصنفین نے واقعات مشتاقی اور افسانہ شاہان سے بھی استفادہ نہیں کیا ہے۔ لوگوں کا رجحان شہرت یافتہ کتابوں کی طرف تھا خواہ ان میں تعصب اور غلط بیانی سے کام لیا گیا ہو۔ تواریخ دولت شیر شاہی بھی اس رویے کا شکار رہی۔

پھر ملا عبدالقادر بدایونی کی ''منتخب التواریخ'' کی تاریخ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ مغلیہ دور میں ایسی تمام کتب تنقید کا نشانہ بنیں جن میں مغلوں کے خلاف خصوصاً حکمرانوں کے خلاف کچھ درج تھا۔ منتخب التواریخ بھی ایسی ہی ستم گری کا نشانہ بنی۔(9) ان حالات میں تواریخ دولت شیر شاہی جو شیر شاہ کے مصاحب خاص کی تحریر کردہ تھی اور جس میں شیر شاہ کی تعریف کی گئی تھی اور مغلوں پر سخت تنقید کی گئی تھی اس کا حال کیا ہوا ہوگا۔ یہ کتاب بھی اسی ستم گری کا نشانہ بنی جیسا کہ ایم امام الدین نے لکھا ہے۔(10) علاوہ ازیں جہانگیر کے دور میں شیعوں کا زور بہت تھا اور شیر شاہ شیعوں کا دشمن تھا۔ اس کتاب میں بھی ایسی باتیں درج تھیں۔ نور جہاں زوجہ جہانگیر غالی شیعہ تھی یہی وجہ ہے کہ اس دور میں اس کتاب کو پذیرائی نہ ملی اور اگر کچھ ملی بھی تو وہ ختم کردی گئی۔ اس کتاب کے مندرجات مغل حکومت اور مغل پالیسی کے خلاف تھے لہذا اس کتاب کو ضائع ہونے سے بچایا نہ جا سکا۔

تاریخ دولت شیر شاہی اور تاریخ افاغنہ:

اکثر مصنفین و مورخین نے تواریخ دولت شیر شاہی کو تاریخ افاغنہ کے ساتھ خلط ملط دیا ہے۔ اس غلطی کی ابتداء شیخ عبدالرشید صاحب سے ہوئی جب انہوں نے تواریخ دولت شیر شاہی کا ٹیکسٹ و ترجمہ شائع کیا تو اس میں اس کے مصنف حسن علی خان کے نام کی تاریخ افاغنہ حسین خان افغان کے نام سے مشابہت کی وجہ سے دونوں ناموں کو ایک قرار دے دیا۔(11) اس غلطی کی اتباع سید امام الدین صاحب نے کی۔(12) پھر ڈاکٹر حسین خان صاحب نے اپنی کتاب شیر شاہ سوری میں اس کو اختیار کرلیا۔(13)

لیکن یہ بات سراسر غلط ہے۔ تواریخ دولت شیر شاہی اور تاریخ افاغنہ دو بالکل الگ الگ کتب ہیں۔ ان کے مصنف بھی الگ الگ ہیں اور دونوں کے زمانے میں بھی بُعد ہے۔ چونکہ اس حوالے سے مصنفین کو مغالطہ رہا ہے۔ لہذا میں یہاں بحث میں اس غلطی کو دور کرنا ضرور سمجھتا ہوں۔ اس بحث کے لیے ضروری ہے کہ سر سید احمد خان کی 1840 میں مرتب کردہ کتاب جام جم کو بھی مدنظر

رکھا جائے جس میں انہوں نے تاریخ افاغنہ سے استفادہ کیا ہے۔(14)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دونوں کتب کے ناموں میں اختلاف ہے۔ پہلی کتاب کا نام ''تواریخ دولت شیر شاہی'' ہے۔ اس کے متن سے ظاہر ہے کہ مصنف نے اسے اپنی آپ بیتی کے طرز میں صرف شیر شاہ سوری کے حالات میں لکھا ہے۔ لہذا اس کا نام شیر شاہ پر رکھا ہے۔ جیسے کہ اس دور میں رواج تھا۔ مثلاً

1 بابر نامہ صرف بابر کے حالات سے متعلق ہے

2 ہمایوں نامہ صرف ہمایوں کے حالات سے متعلق ہے

3 تذکرۃ الواقعات صرف ہمایوں کے حالات سے متعلق ہے

حالانکہ موخر الذکر دو کتب اکبر بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے کافی بعد تحریر کی گئیں مگر ان کے موضوع کے مد نظر ان کو صرف ہمایوں کے حالات تک محدود کیا گیا اور اکبر کے حالات اس میں شامل نہ کیے گئے۔

4 تذکرہ ہمایوں و اکبر از بایزید بیات جو اکبر کے دور میں لکھا گیا۔ اس میں چونکہ ہمایوں اور اکبر کے حالات کی تفصیل ہے لہذا اس کا عنوان دونوں بادشاہوں سے منسوب کیا گیا۔

5 طبقات بابری از زین خان جو بابر کے حالات پر مشتمل ہے اور بابر نامہ سے قبل مکمل کی گئی ہے۔ اس میں صرف بابر کے حالات ہیں لہذا اس کے عنوان میں بھی 'بابری' استعمال کیا گیا ہے۔

تواریخ دولت شیر شاہی میں چونکہ صرف شیر شاہ کے حالات درج ہیں لہذا اس کا نام شیر شاہ کی نسبت سے رکھا گیا ہے۔ اگر اس کتاب کا دوسرا کوئی ہو سکتا ہے تو وہ اس کے موضوع کے حساب سے ''شیر شاہ نامہ'' ہو سکتا ہے یعنی جس نام سے ایک کتاب کا ذکر ایلیٹ نے بھی کیا ہے۔

دوسری جانب ''تاریخ افاغنہ'' کا نام ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب قوم افغان کی تاریخ ہے۔ یہ کسی خاص بادشاہ کی تاریخ نہیں ہے بلکہ پوری قوم کی تاریخ ہے۔ جس میں اس قوم سے تعلق رکھنے والے سارے بادشاہ آرہے ہیں۔ جیسا کہ سبحان رائے نے بھی لکھا ہے کہ اس میں افغانوں

کے نسب کے علاوہ سلطانی بہلول اور اس کی نسل اور شیر شاہ اور اس کی اولاد کا ذکر بھی ہے۔ اس چیز پر ہم آگے مزید روشنی ڈالیں گے۔ دوسری دلیل کتاب کے مصنف کا نام ہے۔ تواریخ دولت شیر شاہی کے اوپر اور اس کے اندر مصنف کا نام واضح طور پر حسن علی خان ہے۔ (15) اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تاریخ افاغنہ سے جن جن لوگوں نے استفادہ کیا ہے انہوں نے اس کے مصنف کا نام حسین خان افغان درج کیا ہے۔ چنانچہ سبحان رائے نے 1658 میں اس سے استفادہ کیا تو اس کے مصنف کا نام واضح طور پر ''حسین خان افغان'' لکھا۔ سر سید احمد خان نے تقریباً 200 برس کے بعد اس سے استفادہ کیا تو بھی یہی لکھا کہ

''تاریخ افاغنہ محتوی بہر حال سلطان بہلول و شیر شاہ
وغیرہ تصنیف حسین خان افغان (ص 73) (16)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سبحان رائے نے حسن علی خان کو غلط سے حسین خان افغان لکھ دیا وہ خود غلطی کرتے ہیں۔ ایک نام کو ایک شخص تو غلط لکھ سکتا ہے مگر دو الگ الگ اشخاص ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حسن علی خان کو غلطی سے حسین علی لکھا جا سکتا مگر پورا نام نہیں بدلا جا سکتا۔ حسن علی خان اور حسین خان افغان دو بالکل الگ الگ نام ہیں۔

3۔ تیسری دلیل کتاب کے مندرجات ہیں۔ تواریخ دولت شیر شاہی کے ابواب کی فہرست اور اس کے متن کے اقتباس ہمارے سامنے ہیں جس میں تواریخ دولت شیر شاہی میں شیر شاہ کے اجداد کا تذکرہ مختصر ہے اور ساری تفصیل شیر شاہ کے حالات پر ہے۔ اس میں شیر شاہ کے جانشینوں کے حالات درج نہ ہیں کیونکہ وہ کتاب کے موضوع سے باہر تھے۔

دوسری جانب تاریخ افاغنہ کے مندرجات ہیں۔ تاریخ افاغنہ کا کوئی نسخہ یا حصہ موجود نہیں ہے مگر جن لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ وہ ہمیں واضح طور پر بتاتے ہیں کہ اس کے اندر کیا ہے۔ سبحان رائے تحریر کرتا ہے کہ:

''تاریخ افاغنہ تصنیف حسین خان افغان جس میں سلطان بہلول لودھی

اور اس کی نسل نیز شیر شاہ سوری اور اس کی اولاد کا ذکر ہے۔ مصنف نے
تمام پٹھانوں کا سلسلہ نسب حضرت یوسف کے بڑے بھائیوں تک یعنی
بنی اسرائیل تک پہنچایا ہے''؟(17)

یعنی تاریخ افاغنہ میں لودھی اور سوری خاندان کے تمام بادشاہوں کی تفصیل موجود ہے۔ جبکہ تواریخ دولت شیر شاہی میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس کی تصدیق جام جم سے بھی ہوتی ہے۔ سرسید نے جب اس کتاب سے استفادہ کیا تو اس میں لودھی بادشاہوں اور شیر شاہ سوری کے علاوہ سوری خاندان کے دیگر بادشاہ مثلاً اسلام شاہ سوری، فیروز خان، عادل شاہ سور، سلطان ابراہیم سور، سکندر شاہ سور کے نام، قبیلے، ماں کے نام، تخت نشینی کی تاریخ، مدت سلطنت، تاریخ وفات وغیرہ سب کچھ تفصیل سے لکھا ہوا پایا اور اس سے اقتباسات لیکر جام جیم میں شامل کیا تھا۔ جو آج بھی موجود ہے۔(18) اگر تواریخ دولت شیر شاہی ہی تاریخ افاغنہ ہوتی تو اس میں یہ ساری معلومات نہیں ہونی چاہیں کیونکہ اس میں صرف شیر شاہ کا ذکر ہے۔ یاد رہے کہ سرسید احمد خان نے جام جم کے سلسلے میں جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں:

> تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی تصنیف مولانا عزیز الدین، تاریخ افاغنہ محتوی بہر حال سلطان بہلول و شیر شاہ وغیرہ تصنیف حسین خان افغان، تاریخ مظفری، تاریخ عالمگیری، تیمور نامہ، تاریخ بابری، اکبر نامہ، تاریخ اکبری، طبقات اکبری، تاریخ اکبر شاہی، اقبال نامہ جہانگیری کہ بچہار گلشن ہم شہرت دارد، مرآت آفتاب نما، تاریخ محمد سہدی، تاریخ تصنیف شیخ عبدالحق محدث دھلوی قدس سرہ، جغتائی، جنگ نامہ، تاریخ سکندری، خلاصۃ التواریخ، تاریخ علی محمد بداوئنی، مسودہ تاریخ مبیضہ جناب خالو صاحب مولوی محمد خلیل اللہ خان بہادر مرحوم صدر امین خیر البلاد شاہجہان آباد نور اللہ مرقدہ، شجرہ مولفہ جناب عبیداللہ خاں صاحب مرحوم طاب ثراہ کہ متضمن است بر ذکر جمیع انبیاء و اولیاء و بادشاہان کہ از ظہور حضرت آدم علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام تا ایں دم دریں دھر ناپائیدار بوجود آمدہ اند و دران شجرہ اکثرے از تاریخ ھائے جلوس و وفات بادشاہان و شمہ از حال آنہا مندرج است و علاوہ آن مسودہ ھا کہ بعض مردم

ثقاۃ بطور انتخاب وتبریح تمیض فرمودہ بودند بدست آوردم وبعض مراتب کہ از اشخاص معتبر بسمع رسید آنہم جمع نمودم تا آنکہ درمدت شش ماہ وبست پنجم مئی ۱۸۴۹عیسوی بوداز تحریرایں نسخہ فراغت حاصل شدمقبول طبع بزرگان نکتہ سنج باد۔(19)

ان کتب میں سے جو کتب اب دستیاب ہیں ان مین افغان حکمرانوں کے بارے میں اتنی تفصیل نہیں ہے۔اس کا مطلب ہے کہ سرسید نے افغان حکمرانوں کے بارے میں جو موادلیا ہے وہ صرف تاریخ افاغنہ سے لیا ہے۔ کسی اور کتاب سے نہ لیا ہے۔

دوسری جانب سبحان رائے نے افغانوں بادشاہوں کے جو حالات لکھے ہین وہ بھی صرف تاریخ افاغنہ سے لکھے ہیں۔وہ تاریخ افاغنہ کے علاوہ کسی اور کتاب کا نام یا حوالہ ہی نہیں دیتا۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کتب بالکل الگ الگ ہیں اور الگ الگ مصنفین کی تحریر کردہ ہیں۔

افغان اور بنی اسرائیل

ضروری ہے کہ مختصر انداز میں افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کی روایت پر ذرا بحث ن جائے ۔مخزن کا بیان ہے کہ اس سے قبل کسی مصنف نے افغانوں کے نسپ پر توجہ نہ دی ہے۔اور نہ ہی اس کا کچھ ذکر کیا ہے۔یہ بیان اوپر صفحات میں نقل کیا جاچکا ہے۔(20) مگر تواریخ دولت شیر شاہی ایک ایسی تصنیف ہے۔جس میں پٹھانوں کے بنی اسرائیل ہونے کا ذکر مخزن سے تقریباً 60 سال قبل ہوا ہے۔اقتدار حسین صدیقی صاحب نے مخزن کے اس بیان کے حوالے سے بھی تواریخ دولت شیر شاہی کو مشکوک قرار دیا ہے جو غلط ہے۔(21) نعمت اللہ ہروی مصنف مخزن نے ''تواریخ دولت شیر شاہی'' سے تو استفادہ ہی نہیں کیا اس لیے اس کا حوالہ کیوں دیتے ۔غالباً یہ کتاب ان کے علم میں ہی نہیں تھی۔بالکل اس طرح سے جس طرح کہ ''افسانہ شاہان'' اور ''اسرار الافغان'' بھی ان کے علم میں نہیں تھیں۔لہذا انہوں نے اس کا بھی حوالہ نہیں دیا۔ان پر ہم آگے صفحات میں بحث کریں گے۔

یہاں ہم صرف اتنی بحث کریں گے کہ تواریخ دولت شیر شاہی ہندوستانی افغانوں کی پہلی تاریخی کتاب ہے کہ جس میں افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کا ذکر ہے۔ یہ ذکر باب اول میں تھا جہاں پر فرید خان (شیر شاہ سوری) کے اجداد کا تذکرہ تھا۔ اس کی واحد دلیل الفنسٹن کا وہ حوالہ ہے جو اوپر دیا جا چکا ہے۔(22)

پھر سبحان رائے لکھتا ہے:

''تاریخ افاغنہ تصنیف حسین خان افغان جس میں سلطان بہلول لودھی اور اس کی نسل کا نیز شیر شاہ سوری اور اس کی اولاد کا ذکر ہے۔ مصنف نے تمام پٹھانوں کا سلسلہ نسب حضرت یوسف کے بڑے بھائیوں تک یعنی بنی اسرائیل تک پہنچایا ہے۔''(23)

یہ بات سبحان رائے تاریخ افاغنہ سے اخذ کرتا ہے اور تاریخ افاغنہ نے غالباً تواریخ دولت شیر شاہی سے اخذ کی ہے آگے جا کر یہی مصنف ذرا وضاحت سے لکھتا ہے۔

افغان خود کے بنی اسرائیل یعنی حضرت یوسف کے بھائیوں کی نسل سے ہونے کا ادعا کرتے ہیں۔ مورث اعلی کا نام افغان تھا۔ اس کے تین بیٹے ہوئے۔ سربن' غرغشت اور بٹن۔ ان تینوں کی نسل پھیلی۔ ہر قبیلہ اپنے بزرگ کے نام سے موسوم ہوا۔ چنانچہ بریچ میانہ' یوسف زئی' داود زئی' کلپانی' ترکلانی کا سلسلہ سربن سے ملتا ہے۔ قبائل سورانی' جیلم' اورک زئی آفریدی جکتانی خٹک، عبدالرحمانی، کررانی، کاکر، عریانی، مسوانی' پنی اور تارن کا نسب غرغشت تک پہنچتا ہے۔ شیرزاد' خضر خیل' غلوی' لودھی' نیازی' لوحانی' سوری' سروانی اور کھکھوری قبیلوں کا شجرہ بٹن پر منتہی ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اور قبائل بھی ہیں۔ غرض دریائے سندھ سے کابل تک کہ سو کوس کا فاصلہ ہے' اور قندھار و ملتان سے کافرستان و کاشغر کی حدود تک کا علاقہ کہ تین سو کوس سے کچھ زیادہ ہے' ان قبیلوں کا مسکن ہے۔ پر پیچ اوگھٹ پہاڑوں کے زور پر امرائے شاہی سے نہیں دیتے بلکہ شاہراہ انہی کے علاقوں سے جو گزری ہے اس لیے صوبے دار سے کچھ سالانہ رقم بطور انعام لے مرتے ہیں۔ مسافروں سے بھی گھوڑے' اونٹ' بیل فی راس کے حساب سے راہداری وصول کرتے ہیں اور کبھی کبھی راہ گیروں بلکہ کاروانوں کو لوٹ

لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مسافروں کو زبردستی اغوا کر کے غلام بنا لیتے اور فروخت کر دیتے ہیں۔ آدمیوں کے اغوا کی وارداتیں دوسرے علاقوں میں شاذ و نادر ہوتی ہیں لیکن پٹھانوں کا مشغلہ ہی یہی ہے۔ غرض صوبہ کابل میں سرتاسر یہ قوم آباد ہے۔ پشاور سے کابل کو تین راہیں جاتیں ہیں۔ ایک۔ بنکشات سے جس کی گھاٹیاں بہت اوگھٹ اور فاصلے طولانی ہیں۔ لشکر ادھر سے جائے تو بہت صعوبت کھینچے۔ دوسرا راستہ کھرپہ کا ہے۔ جو جلال آباد میں شاہراہ سے مل جاتا ہے۔ اس میں بھی تنگ دروں، سنگلاخ گھاٹیوں، پانی کی قلت اور پٹھانوں کی لٹس کے باعث مسافر بہت ایذا پاتے ہیں۔(24)

یقیناً کسی کو شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ حوالہ آئین الکبری سے ماخوذ ہے جو ابوالفضل نے 1603ء میں تحریر کی تھی۔ مگر اس شبہ کی گنجائش اس وقت ختم ہو جاتی ہے کہ جب ہم آئین اکبری کے اس حصے کا بغور معائنہ کرتے ہیں۔ آئین اکبری میں ہے کہ:

افغان اپنے کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ان کے مورث اعلی کا نام ہی افغان تھا۔ افغان کے گھر میں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ سربن، جس کی اولاد میں سربنی قبیلہ موجود ہے۔ غرغشت، جو غرغشی قبیلے کے افغانوں کا مورث اعلی ہے۔ بٹن جسے بٹنی افغان اپنا جد اعلی کہتے ہیں۔ ان تینوں قبیلوں کی اولاد بڑھی اور ہر قبیلے سے مختلف شاخیں ملک میں پھیلیں۔ ہر شاخ اپنے خاندان کے سردار یا کسی مشہور شخص کے نام سے مشہور ہوئی چنانچہ ترین، بریچ، میانہ، خرشین شیرانی اور ارمر کاسی جمند، خویشگی، کتانی، خلیل مہمند زئی داؤد زئی یوسف زئی کلیانی اور ترکلانی خاندان قبیلہ سربن کی شاخیں ہیں اور سورائی (سرانی) جیلم اورگ زئی آفریدی، جگتانی، ختکی کرارانی، باور منسوب، ناکڑبانی، موانی، پنی اور تارن غرغشی قبیلے میں داخل ہیں اور غلزئی، لودی نیازی، لوحانی سور بنی، سروان اور کہور قبیلہ بٹن کے مختلف خاندان ہیں۔ کہتے ہیں کہ مست علی غوری نام ایک شخص نے جسے افغان ستی کہتے ہیں بٹن قبیلے کی ایک لڑکی کے ساتھ ناجائز تعلق پیدا کیا، جب یہ تعلق زیادہ بڑھا اور قریب تھا کہ

قبیلے کی بدنامی ہو جائے تو اس قبیلے نے اپنی عزت اور آبرو کو محفوظ رکھنے کے لیے لڑکی کو غوری کے ساتھ بیاہ دیا متی کے گھر میں اس افغان لڑکی کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے جو غلزئی، لودی اور سردانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعض مورخین افغانوں کو قبطی النسل بتلاتے ہیں۔ ان مورخوں کا بیان ہے کہ جب بنی اسرائیل بیت المقدس سے مصر میں آئے تو یہ قبطی مصر سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ داستان اتنی طویل ہے کہ اس مختصر میں اس کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے ناظرین کی تفریح طبع کے لیے چند سطریں ان کے احوال میں لکھ دی گئیں۔ (25)

اس سے پتہ چلتا ہے ابوالفضل نے بھی کسی کتاب سے استفادہ کیا ہے لیکن بعد ازاں بر بنائے تعصب اس نے ایک خودساختہ بات وضع کر کے افغانوں سے منسوب کر دی ہے کہ وہ قبطی الاصل ہیں۔ دراصل ابوالفضل کو افغانوں کا یہ دعوی ہضم نہیں ہوا کہ وہ پیغمبروں کی اولاد ہیں لہذا اس نے ایک نئی اختراع وضع کر لی اور یہی اختراع بعد ازاں تاریخ فرشتہ کے منصف نے بھی لے لی (26)

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر سجان رائے نے آئین اکبری (جس سے اس نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور جگہ جگہ اس سے نقل بھی کیا ہے) سے یہ پیرہ نقل کیا ہوتا تو وہ اس کتاب کی اس دوسری روایت کا بھی حوالہ دیتا جو ابوالفضل نے خود وضع کی ہے۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب سے بیان نقل کیا ہے کہ جہاں سے ابوالفضل نے بھی نقل کیا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ سجان رائے نے کتاب کا بیان من وعن نقل کیا ہے جبکہ ابوالفضل نے من وعن نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے اس میں اضافہ بھی کر دیا ہے۔ وہ کتاب یہی تواریخ دولت شیر شاہی ہے جس سے دونوں نے ایک ہی بات نقل کی ہے۔

اگرچہ خلاصۃ التواریخ مخزن افغانی کے بعد تحریر کی گئی ہے مگر ہم یہ دعوی نہیں کر سکتے کہ سجان رائے نے مخزن سے افغانوں کا بنی اسرائیل ہونا نقل کیا ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

1۔ سجان رائے نے جن جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان سب کے نام کی تفصیل دی ہے۔ اس

میں مخزن کا نام نہیں لیا گیا ہے۔اس لیے اس سے استفادہ ممکن نہیں۔

2۔ سجان رائے نے تاریخ افاغنہ کا نام دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس نے افغانوں خصوصاً لودھیوں اور سوریوں کی معلومات وہیں سے نقل کی ہیں۔ لہذا افغانوں کا بنی اسرائیل ہونا وہیں سے نقل کیا ہے۔

3۔ سجان رائے نے تاریخ افاغنہ کے نام کے ساتھ ہی وضاحت کردی ہے کہ اس کے مصنف نے افغانوں کا نسب بنی اسرائیل سے ملایا ہے۔اس سے ظاہر کہ جو حوالہ یہاں نقل کیا گیا ہے وہ تاریخ افاغنہ سے من وعن نقل کیا گیا ہے۔

اب الفنسٹن نے جو حوالہ تواریخ دولت شیر شاہی کا کیا ہے اس میں قبیلوں اور پشتوں کے نام اور تعداد درج ہیں۔مگر حسین خان افغان نے ان کے نام تفصیل سے درج نہ کیے ہیں بلکہ تواریخ دولت شیر شاہی سے استفادہ کر کے ضمناً بیان کردیے ہیں جن کو سجان رائے اور ابوالفضل دونوں نے نقل کیا ہے۔غرض کہ تواریخ دولت شیر شاہی اور تاریخ افاغنہ دو بالکل الگ الگ کتابیں ہیں جن کو الگ الگ مصنفین نے تحریر کیا ہے۔اور غالباً تاریخ افاغنہ کے مصنف حسین خان نے تواریخ دولت شیر شاہی سے استفادہ کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ غرض کہ تواریخ دولت شیر شاہی افغانوں کی پہلی کتاب ہے جس میں ان کو بنی اسرائیل بیان کیا گیا ہے اور اس کا یہ بیان افغانوں کی اپنی آبائی روایت پر مبنی ہے۔اس کی تصدیق آثار قدیمہ سے بھی ہوئی ہے۔شیر شاہ سوری نے دلی میں جو قلعہ اور مسجد تعمیر کرائی ہے اس میں جگہ جگہ یہودیوں کا مقدس نشان ستارہ داؤدی (David Star) بنا ہوا ہے۔جس سے ظاہر ہوتا کہ شیر شاہ کو علم تھا کہ افغان بنی اسرائیل سے ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور وہ اس بات پر فخر بھی کرتا تھا۔(27)

کتاب کی دریافت:

اس کتاب کی دریافت کا سہرا پروفیسر روشبروک ولیمز (Prof.Rushbrook Williams) کے

سر جاتا ہے۔ انہوں نے انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کو 1921ء میں اس کتاب کی دریافت کے بارے میں بتایا۔ یہ چیزیں انہیں بھوپال میں ملی تھیں۔ شیخ عبدالرشید مرحوم نے اس کتاب کو مکمل شکل میں تلاش کرنے کی کوشش بہت کی مگر روشبروک کے جانشینان اس بارے میں بالکل لاعلم نکلے۔ پروفیسر روشبروک کو اس کتاب کے باب دوم کا کچھ حصہ اور باب ششم مکمل مل گیا تھا۔ باب دوم کے اصل صفحات تو آج بھی علی گڑھ میں محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر آر پی ترپاٹھی کا ذمہ لگایا گیا کہ وہ باب ششم کا انگریزی میں ترجمہ کریں۔ باب ششم بدقسمتی سے ان سے گم ہوگیا مگر اس کا ترجمہ محفوظ رہ گیا جو Medieval India Quarterly علی گڑھ کے اولین شمارے میں شائع ہوگیا(28) میں نے تواریخ دولت شیر شاہی کے باب ششم کے مذکورہ بالا انگریزی ترجمے سے ہی اردو ترجمہ کیا ہے۔ جب کہ باب دوم کے باقی ماندہ حصے کا فارسی متن سے ترجمہ کیا ہے۔

موجودہ ٹائیٹل کا ناقدانہ جائزہ

ایس اے رضوی صاحب نے ''تواریخ دولت شیر شاہی'' کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور اس طرح سے باقی ماندہ فارسی متن کے آخر میں درج تاریخ کا بھی جائزہ لیا ہے اور انہیں جعل سازی قرار دیا ہے۔(29) ان کے دلائل یہ ہیں کہ:

1۔ پہلی مہر جو دائیں جانب ہے اس پر نورالدین جہانگیر درج ہے۔ حالانکہ جہانگیر کی تمام مہروں اور دستخطوں میں ''نورالدین جہانگیر شاہ'' درج ہوتا ہے۔ اس لیے صرف ''نورالدین جہانگیر'' تحریر ہونا مشکوک ہے۔

2۔ دوسری چیز ''کتب خانہ خاص دارالخلافہ دہلی'' کے الفاظ ہیں۔ حالانکہ جہانگیر کے دور میں دہلی کبھی دارالخلافہ نہیں رہا ہے۔ دہلی شاہجہان کی تخت نشینی کے کافی بعد دارالخلافہ بنا تھا۔

3۔ تیسری چیز ابوالفضل کے الفاظ کہ اس نے ''آئین'' کے لیے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے غلط ہے۔ آئین اکبری دراصل اکبرنامہ کا تیسرا حصہ ہے اور ابوالفضل اور اس کے معاصرین کے دور میں تیسرے حصے کو بھی کسی نے آئین نہیں کہا اور اس کی الگ کتابی حیثیت نہ تھی اس

کی الگ کتابی حیثیت اس کی وفات کے بہت بعد بنی ہے۔

4۔ ابوالفضل 958ھ/1551ء میں پیدا ہوا جبکہ ٹائٹل پر اس کے دستخطوں کی تاریخ 959ھ/1552ء درج ہے یعنی ابوالفضل نے ایک سال کی عمر میں اس کتاب کو پڑھ لیا اور اس سے استفادہ بھی کرلیا ہے۔ یہ بات ناممکن ہے۔

5۔ ابوالفضل اپنی تحریروں کو 'اللہ اکبر' کے الفاظ سے شروع کرتا تھا جو کہ اس تحریر پر موجود نہ ہیں۔

6۔ کتاب پر صرف جہانگیر کی مہر ہے جبکہ ملکیت یہ ابوالفضل کی لگتی ہے۔ یہ پتہ نہیں کہ یہ کتاب کس جگہ سے جہانگیر یا ابوالفضل تک پہنچی ہے۔ اس طرح سے اس کے بعد یہ کہاں گئی ہے اس کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ اگر یہ جہانگیر یا ابوالفضل کی ملکیت سے قبل بھی یا بعد میں بھی کہیں ہوتی تو اس پر ضرور پچھلے یا بعد کے بادشاہوں کی مہریں ہوتیں۔ نیز اس پر ابوالفضل کی بھی مہر موجود نہ ہے۔

7۔ باب دوم جو کہ نامکمل ہے اس کے آخر میں حسن علی خان کے دستخط ہیں اور تاریخ 5 ربیع الاول 955ھ درج ہے حالانکہ یہ چیز کتاب کے بالکل آخر میں آنی چاہیے۔ ایک نامکمل باب کے آخر میں ہی اس طرح کے الفاظ کاتب کی جعل سازی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے رضوی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کتاب کا جو مواد موجود ہے اس کا ٹائٹل اور باب دوم کی اختتامی عبارت ''تمت بالخیر حسن علی خان 5 ربیع الاول 955ھ جعلی ہیں۔ رضوی صاحب کے مذکورہ بالا دلائل بہت مضبوط ہیں۔ اس لیے قابل قبول ہیں۔

لیکن ان کی بنیاد پر متن کو جعل سازی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لگتا ہے کہ جس نے یہ صفحات آگے فروخت کیے ہیں ان کی اچھی قیمت حاصل کرنے کے لیے ان پر یہ جعلی ٹائٹل لگا دیا ہے۔ یہ چیز کس دور میں لگی اس حوالے سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جناب اقتدار حسین صدیقی کی تنقید کا جائزہ:

اپنے ایک مضمون نے اقتدار حسین صدیقی صاحب نے تواریخ دولت شیر شاہی پر تنقید کی ہے اور تاریخ شیر شاہی اور طبقات اکبری سے موازنہ کرتے ہوئے اس کتاب کو عہد شاہجہاں کی تصنیف قرار دیا ہے۔(30) مگر ان کی یہ تنقید غلط ہے۔ انہوں نے جہاں جہاں اس کتاب کا موخرالذکر دو کتب سے موازنہ کیا ہے وہاں پہلے یہ ذہن بنایا ہے کہ تاریخ شیر شاہی اور طبقات اکبری بالکل درست کتب ہیں اور بنیادی مآخذ ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں کتب شیر شاہ کی وفات کے کم از کم 28 سال بعد تحریر کی گئیں ہیں۔ ان کے مصنفین کی معلومات سنی ہوئی روایات پر ہیں۔ جبکہ تواریخ دولت شیر شاہی کا مصنف اپنے بیان کردہ واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔ مقامات کے ناموں اور شخصیات کے ناموں میں اگر تواریخ او دیگر کتب میں فرق نظر آئے تو ہمیں ہم عصر مآخذ (تواریخ دولت شیر شاہی) کو فوقیت دینی چاہیے۔ اس حوالے سے صدیقی صاحب کے اعتراضات ناقابل قبول ہیں۔ انکے قابل اعتراض نکات کا میں نے برمحل اپنے حواشی میں جواب دیا ہے۔ فی الحال صرف اہم اعتراضات اوران کا جواب درج کیے جاتے ہیں۔ تفصیل کیلیے متن اور حواشی ملاحظہ کیجئے۔ ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ لفظ ''جاگیر'' کا ''اقطاع'' کے معنوں میں استعمال اکبر سے قبل کسی مصنف نے نہیں کیا۔ خصوصاً عہد لودی کے مصنفین نے۔ مگر یہ اعتراص غلط ہے۔ لودھی اور سوری دور کی تو کتب ہی محفوظ نہ ہیں اس لیے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اکبر سے قبل مصنفین نے اقطاع کے معنوں میں ''جاگیر'' کا استعمال نہیں کیا۔ پھر اکبر اور شیر شاہ کے دور میں اتنا بُعد بھی نہیں ہے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ اکبر کے دور میں ''جاگیر'' کا بطور ''اقطاع'' استعمال شیر شاہ سوری کے دور کے انتظامی حوالہ جات سے ہی لیا گیا ہے۔ ان کا اعتراض یہ بھی ہے کہ شیر شاہ کے ہندو لڑکی سے عشق کا قصہ عباس سروانی اور مولانا مشتاقی نے درج نہ کیا حالانکہ انہوں نے معلومات اکٹھی کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باوجود محنت کے ان کو یہ خبر مل ہی نہ سکی ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور؟ نیز یہ واقعہ شیر شاہ کے ابتدائی دور کا ہے اس لیے اسے لوگوں نے

فراموش بھی کر دیا ہوگا۔ اس واقعے کی نوعیت بہت زیادہ شہرت یافتہ بھی نہ تھی کیونکہ جلد ہی شیر شاہ نے بقول حسن علی خان خود کو سنبھال لیا تھا۔ میاں حسن کی جاگیر کے نام پر اعتراض بھی بے جا ہے۔ حسن علی خان نے اگر منگیر لکھا ہے تو عباس خان نے سہسرام کے علاوہ خواص پور ٹانڈہ بھی لکھا ہے اور مشتاقی نے صرف سہسرام لکھا ہے۔ حقیقتاً شیر شاہ نے سلطان ابراہیم کی وفات کے آس پاس بہت سے اقطاع پر قبضہ بھی کر لیا تھا ایک اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے بابر اور جنید برلاس کا ذکر بہت احترام سے کیا ہے جو صرف مغل کر سکتے تھے۔ مگر یہ اعتراض بھی بے جا ہے۔ مصنف اور شیر شاہ چونکہ کبھی ان دونوں کے احسان مند تھے لہذا ان دونوں کا احترام کے ساتھ ذکر کوئی عجیب بات نہیں ہے افسانہ شاہان میں بھی مغلوں کا ذکر احترام سے ہے۔ چونکہ یہ کتاب بھی مغلیہ اقتدار دوبارہ قائم ہونے کے بعد لکھی گئی تھی لہذا مصنف کو بھی ایسا کرنا پڑا۔ مآثر الامراء کے مغل مصنف نے بھی خان جہان لودھی کا بہت دفاع کیا ہے جو شاہجہاں سے باغی ہو گیا تھا۔ (31)

سکندر لودھی کا تمام مغل کتب تواریخ میں ذکر احترام سے ملتا ہے۔ سبحان رائے اگرچہ مغلیہ دور کا مورخ تھا مگر وہ شیر شاہ کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کرتا ہے۔ (32) خود بابر نے جگہ جگہ ذکر کیا ہے کہ فرید خان سور (شیر شاہ) نے کئی بار اس کی حمایت کا اعلان کیا (33)۔ صدیقی صاحب نے شیر شاہ کے فرامین پر بھی اعتراض کیا ہے خصوصاً شاہ ایران کو سفارت کے معاملے پر وہ کہتے ہیں کہ دیگر کسی کتاب سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی کہ شیر شاہ کی جانب سے صفوی بادشاہ کو کبھی سفارت گئی ہو۔ مگر یاد رکھیے کہ Absence of evidence is not Evidence of absence اس دور کا بہت سا ریکارڈ ضائع ہو چکا ہے۔ ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہوا ہی نہیں ہوگا۔ پھر کتاب کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیر شاہ کے سفیر کی توہین کی گئی اور بظاہر شیر شاہ کو والی ہندوستان بھی تسلیم نہ کیا گیا۔ ان حالات میں اس کاروائی کا ایران کے کسی سرکاری ریکارڈ میں محفوظ کیا جانا ضروری نہ سمجھا گیا۔

غرض کے اس طرح کے بعض دیگر اعتراضات بھی صدیقی صاحب نے اٹھائے ہیں جو میرے

نزدیک قابل پذیرائی نہیں ہیں۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تواریخ دولت شیر شاہی کے متن کومن وعن درست تسلیم کرلیا جائے۔یادرہے کہ ہر مصنف کی طرح حسن علی خان سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے کاتب سے غلطیاں ہوئی ہوں نیز آگے جتنی بار نقول تیار ہوئی ہوں گی ان سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں مگر ان غلطیوں کی بنیاد پر پوری کتاب کو جعلی قرار نہیں دیا جاسکتا۔دراصل یہ غلطیاں اور اختلاف بھی کسی کتاب کے اصل ہونے کی صداقت ہوتی ہے۔اگر یہ چیز کسی پڑھے لکھے شخص نے عہد شاہجہانی میں جعل سازی سے تیار کی ہوتی (جیسا کہ صدیقی صاحب کے تحریر کیا ہے) تو اس میں اتنی غلطیوں کی گنجائش ہی نہیں تھی۔جتنی کہ صدیقی صاحب نے بیان کی ہیں کیونکہ عہد اکبری میں ہی بلکہ اس کے بعد تو اس قدر تاریخی مواد سوری خاندان کے حوالے سے موجود تھا کہ کوئی بھی شخص ان سے آسانی نقل کر کے جعل سازی کرسکتا تھا۔مثلاً تاریخ داؤدی کے مصنف نے تاریخ شاہی و تاریخ شیر شاہی وغیرہ سے من وعن اقتباسات نقل کر کے کتاب تیار کرلی ہے۔عہد شاہجہاں میں وافر مقدار کی موجودگی زیادہ غلطیوں کا امکان ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔

مزید برآں ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ عہد لودھی اور عہد سوری کا دیگر کوئی ریکارڈ موجود نہ ہے۔جو کچھ لکھا گیا وہ عہد سوری کے خاتمے کے 25 سال بعد اور عہد لودھی کے خاتمے کے تقریباً 50 سال کے بعد لکھا گیا ہے۔یعنی عہد اکبری میں لکھا گیا ہے۔ان بعد کی تحریروں میں غلطی کا امکان زیادہ ہے جبکہ ہم عصر مواد میں غلطی کا امکان کم ہے۔اور تواریخ دولت شیر شاہی شیر شاہ سوری کا ہم عصر مواد ہے۔اس کتاب پر صرف اس حد اعتراض قابل قبول ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کا عنوان ''تواریخ دولت شیر شاہی'' کی جگہ ''شیر شاہ نامہ'' ہو جیسا کہ اوپر قبل ازیں بحث کی جاچکی ہے۔

حواشی

(1) The Kingdom of Caubul Vol.I p 207

(2) ایضاً

(3) مخزن افغانی (اردو) ص 35

(4) Bibliographical Index to the Historians of Muhammadan India, Vol. I, p 5

(5) دیکھیے متن کتاب ھذٰ

(6) دیکھیے متن کتاب ھذٰ

(7) Some Persion Sources of the Afgahan History of India P. 40, IslamiCulture, 1959

(8) خلاصۃ التواریخ (اردو) ص 325---317

(9) دیکھیے حاشیہ نمبر 6 بالا

(10) دیکھیے حاشیہ نمبر 7 بالا

(11) Medieval India Quarterly, Ali Garh, Vol.I, July

(12) دیکھیے حاشیہ نمبر 7 بالا

(13) Sher Shah Suri by Dr. Hussain Khan, p. xxvi

(14) جام جم مشمولہ مقالات سرسید، مطبوعہ مجلس ترقی ادب

(15) دیکھیے متن کتاب ھذٰ

(16) جام جم متذکرہ بالا ص 73

(17) خلاصۃ التواریخ (اردو) ص 32

(18) دیکھیے حاشیہ نمبر 14 بالا

(19) جام جم ص 73-74

(20) دیکھیئے حاشیہ نمبر 3

(21) Mughal Relations with the Indian Ruling Alite by Iqtidar Hussain Siddiqui P. 188

(22) دیکھیئے حاشیہ نمبر 201 بالا

(23) خلاصۃ التواریخ (اردو) ص 32

(24) ایضاً ص 121-22

(25) آئین اکبری (اردو) از ابوالفضل جلد اول ص 108

(26) تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اول ص 46-47

(27) ذاتی مشاہدہ مترجم ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ دورہ فروری مارچ 2004ء

(28) Medieval India Quarterly, July 1905, P.57-65

(29) ایضاً، اکتوبر 1905ء ص 74-78

(30) Mughal Relations with the Indian Ruling Elite P. 178-189

(31) مآثر الامراء (اردو) جلد اول ص 494-504

(32) خلاصۃ التواریخ (اردو) ص 317-325

(33) تزک بابری (انگریزی۔ بیورج ترجمہ) ص 659.652

تواریخ دولت شیر شاہی

(اردو ترجمہ)

نوٹ: اس ترجمہ کی قوسین میں موجود ذیلی سرخیاں مترجم کی ہیں۔ باقی سارا مواد اصل متن کے مطابق ہے۔

(مترجم)

حسن علی

نورالدین جہانگیر

کتب خانہ خاص دارالخلافہ۔ دہلی

تواریخ دولت شیر شاہی

تحریر کردہ حسن علی خان امیر آسمان شکوہ وابستہ حکومت سلطان شیر شاہ

حسن علی خان آسمان شکوہ اللہ کسی قبر کو منور کردے

ہرگز غیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام تھا

بندا ابوالفضل نے اس کتاب سے آئین کی تصنیف

میں استفادہ کیا ہے حسن علی خان 957ھ میں عالم

جاودانی کے لیے رحلت کر گیا۔☆

وہ اپنے دور کے تبصرہ نگاران میں سے ایک تھے اور

اپنے زمانے کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔

2 ربیع الاول)959ھ قدسی

یہ سرورق جعلی ہے جو مسٹر شالبروک کو زیادہ قیمت پر نسخہ کے اوراق فروخت کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ حسن علی خان نے اکبر کی پانی پت کی دوسری لڑائی میں فتح کے بعد یہ کتاب لکھی۔ اس کی تاریخ وفات کسی کو معلوم نہیں۔ اس سرورق کی جعلی سازی کے حوالے سے دیکھیئے اس کتاب کا مقدمہ (مترجم)

ابواب اور مقالات کا خلاصہ

دیباچہ: مصنف کا تذکرہ اور ہندوستان کی تاریخ آغاز سلطنت اسلام سے بابر کے تسلط اور نصیر الدین ہمایوں کی حکومت تک

باب اول: اجداد کا تذکرہ اور فرید کی پیدائش

باب دوم: ابتدائی حالات اور ہمایوں کے ساتھ جنگ کا تذکرہ اور شیر خان کی فتح

باب سوم: شیر خان کی سلطان شیر شاہ کے لقب سے تخت نشینی

باب چہارم: سلطان شیر شاہ رحمتہ اللہ تعالی کی فتوحات اور شہادت

باب پنجم: آئین حکومت شیر شاہی

باب ششم: فرامین دولت شیر شاہی

باب ہفتم: دربار و رعایا کے حالات اور سلطان شیر شاہ کے حالات

(فارسی متن سے اردو ترجمہ)

باب دوم (1)

فرید کے اپنے باپ کی جاگیر پر آنے کی کیفیت یوں ہے

(فرید کا حسنِ انتظام)

جب منکیر (2) پہنچا تو اس نے اپنی توجہ انصرام امور حکومت اور جاگیر کے انتظام پر لگادی۔ سب سے پہلے تو جبریہ محنت (بیگار) کہ جس کی شروعات کی تاریخ سلطان غوری کے عہد ہمایوں تک پہنچتی ہے۔ مکمل طور پر بند کردی۔ (3) فرمان صادر ہوا کہ جبر سے پرہیز کیا جائے اور عوام کے سکون کو تمام کاموں پر فوقیت دی جائے۔ (4) کسانوں مزارعوں کو طرح طرح کے محاصل معاف کردیے۔ (5) اور محصول زمین کے علاوہ دیگر کوئی (ٹیکس) نہیں لیا۔ ہر گاؤں میں ایک شخص مقرر کردیا کہ جو نظر رکھے (اور) عوام کے حقوق اس سے متعلق رہے۔ (6) عوام کو انصاف دہی اور آرام فراہم کر کے خود کو تکلیف دی اور کہتا تھا کہ قوم کا خادم سردار بھی ہوتا ہے۔ (7) پھر ہندوستان کے حالات کی خرابی اور زمانے کے انقلاب کی وجہ سے ایک ہزار کسان اس کی حکومت کے زیر سایہ (اسکی) زمین میں پناہ گیر ہوئے۔ (8) اور زمینداری کے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ وہ ملک کے محاصل کو "المضاعف" سمجھنے لگے۔ (9)

(جے سنگھ راٹھور کی بیٹی سے فرید کا عشق)

ان دہقانوں میں سے ایک مارواڑ (10) کا چھتری (11) تھا جو اس کی پناہ میں آ کر سکون سے رہ رہا تھا۔ اس کا نام جے سنگھ (12) تھا اور اس کی ایک بیٹی تھی جو ماہ جبین، نازم اندام اور پری چہرہ تھی۔ ایک روز میں (13) فرید کے ساتھ جارہا تھا۔ شکار سے واپسی کے وقت

اس کے مکان سے گذر ہوا۔ گرمی اور سورج کی تپش سے بیتاب ہو کر ہم نے پانی کی درخواست کی۔ وہ پری پیکر پانی لے آئی اور دونوں کو جی بھر کر پلایا۔ فرید اس مہوش کے جمال کو دیکھ حیران رہ گیا اور اس کی محبت کے تیر سے دل زخمی ہو گیا۔ دل جلا ہوا اور حواس باختہ ہو کر اپنے گھر پہنچا۔ میں نے نیک مشورہ دیا کہ روزانہ اس مہ جبین کے کاشانہ آب پر جائے اور اپنے دل کو اس مہ پیکر کے دیدار سے خوش کر لے۔

اس آ جرائے شنگرف (14) کی خبر جے سنگھ کو ہوگئی۔ اس غیرت مند (15) راٹھور نے (آہنگ گذاشتہ) اسے سرزمین کر دیا۔ فرید یہ خبر سن کر اس کے سر پر حملہ آور ہوا اور بیٹی کو باپ کے ہاتھ سے چھین لیا اور اس مہ پیکر کے (بزلال) ملاپ سے سیراب ہو گیا اور حکم دیا کہ جے سنگھ کو قید کر دیا جائے۔ جے سنگھ نے بظاہر اطاعت گذاری کر کے رہائی کی درخواست کی۔ یہ درخواست دل کو اچھی لگی۔

(جے سنگھ کا فرید پر حملہ اور اسکا قتل)

جب جے سنگھ قید خانے سے رہا ہوا تو اپنے دل میں فرید کو ہلاک کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اور انتقام لینے کی غرض سے فرید کے قریب آنے کی تدبیر لگائی۔ ایک روز میں فرید کی خدمت میں حاضر تھا کہ جے سنگھ اس کے حضور آیا اور بڑی نرم و ملاطفت کی باتیں کر کے خنجر نکالا اور فرید کے سر پر مارا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خنجر کو چھین کر اس ملعون کو واصل جہنم کر دیا۔ فرید نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بابا! تجھے میں مخلص دوستوں میں سے سمجھتا ہوں اور دل و جان سے تیرا فرمانبردار ہوں۔

(معشوقہ کی خودسوزی)

جب یہ وحشت ناک خبر جے سنگھ کی بیٹی کو پہنچی تو بہت پریشان ہوئی اور اس کی گردن زنی کے ماتم میں نو دن رات تک کھانا پینا چھوڑ دیا (16) اور آرام کو ترک کر کے خود کو رنج و غم میں ڈال دیا۔ فرید کے رنج کا اندازہ تو بے اندازہ تھا جو قلم بیان بھی نہیں کر سکتا۔ اس محبوبہ کا گریہ اس دلدار کے جگر کے

زخم پر نمک چھڑکتا تھا۔ ایک روز اس وفا کیش نے آگ جلا کر خود کو شعلوں کے سپرد کر کے خود کو جلا لیا۔

(فرید کی ویرانی)

فرید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے اپنی ہلاکت کا ارادہ کر لیا اور ایک روز جان کے غم کو اٹھائے ویرانے میں چلا گیا اور چاہا کہ زہر آلود خنجر نکال کر اپنی جان تلف کر لے کہ حفاظت کا فرشتہ اس مایوس کی امداد کے لیے پہنچ گیا۔ یہ گہنگار حسن (17) کہ جو اس مہر عالم تاب کی جدائی سے صبر کا سرمایہ اور ہمت دل کے ہاتھوں کھو بیٹھا تھا اس ویرانے میں آ گیا اور اس فرہاد کی تسلی کی۔ میں نے کہا کہ ''شہریار! اپنے آپ پر قابو رکھ اور اپنے ارادے سے خبردار رہ۔ نظم

جہاں سرگذشت است از ہر کسے
چنین گوناگوں بازی آرد بسے
چون اندیشہ بود گردو دراز
ہمیں گشت باید سوئے خاک باز
بدین رفتن اکنون نباید گریست
ندانیم فرجام این کار چیست (18)

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (19) اس کلام معجزہ کے مطابق ساری کائنات کا نظام منتہائے' فنا ہونے والا ہے اور بقا تو صرف محبوب حقیقی (20) کے ساتھ مخصوص ہے کہ فنا کو سارے عالم کی (انباز ذات) سمجھ کر چاہیے کہ اللہ کی رضا کو تسلیم کر کے اپنے پریشان دل کی تسکین کے لیے کوشش کریں۔

میں نے بڑی مشکل سے جہان بانی کے باغ کے اس نونہال کو اس فاسد ارادے سے باز رکھا۔ جب اس کلام کا فرمان سنا تو اس کے دل پر اثر ہوا اور بولا انا للہ وانا الیہ راجعون (21) مجھے مخاطب کیا اور کہا کہ "بابا دوسری بار تو نے فرید کی جان کو ورطہ ہلاکت سے نجات دی ہے۔ تمہاری خیراندیشی معاوضے کے دائرے سے باہر ہے"۔

(فرید کی جاگیر سے بیدخلی)

ابھی غم کا اثر دل پر تازہ تھا اور اس فرہاد نے اپنی شیریں (22) کی یاد بھلائی نہیں تھی کہ ان وحشت ناک واقعات کی خبر فرید کے باپ کے کان تک جا پہنچی۔ صرف اس بات کو سننے سے ہی اس کے غیظ و غضب کا ملال الیتام اعتدال کی حد سے تجاوز کر گیا۔ اس دوسرے واقعے سے پہلی بات پر دلالت کی۔ اس پرستار نا ہنجار (23) کہ جس کا فرید سے آزردہ تھا نے اس کے غصے کی آگ کو بھڑکا دیا۔ اس زود رنج نے کہا کہ میں تمام پرانی شکایات کو مہمل الزام سمجھتا ہوں لیکن اس آخری بات کے وقوع ہونے سے پچھلی باتیں پایہ ثبوت تک پہنچتی ہیں۔ (24) لہذا جہان آفرین کی طرف مڑ کر کہا کہ ''اگر میں اس مہر دود بارگاہ لم یزلی کو اس کے کیفر کردار تک نہ پہنچادوں تو وہ صفت گاہ قدرت کا پیدا کرنے والا مجھے جنت کی نعمت سے محروم کر دے۔ چنانچہ اپنے بیٹوں کو جو کہ اس مکار کنیز کی اولاد تھے اپنے ساتھ لے کر فرید کی جائے رہائش کی جانب متوجہ ہوا۔ فرید نے جنگ و جدل کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر کسی دوسرے موقع کی مصلحت کو دیکھ کر اپنا ہاتھ اس ارادے سے روک لیا اور اپنی توجہ اس یقین منعطف کی راہ پر لگا لی کہ فاعتبروا یااولی الابصار (25)۔ پھر حسن نے جاگیر کا انتظام اپنے بیٹوں کو دے دیا (26)۔ فرید اپنے بھائی (27) کے ساتھ سلطان ابراہیم لودی (28) کی بارگاہ میں آیا اور امیر دولت خان (29) کی خدمت میں ملازمت کر لی۔

(فرید اور سلطان ابراہیم)

جان لیجیے کہ دولت خان اس دربار کے امرائے عظام میں سے ایک تھا۔ اس نے فرید اور نظام کے حالات پر نوازش کی بنا بر اتمام اور اپنے وعدے کے مطابق خود حضرت سلطان سے عرض کیا کہ " حسن کے اغنی (30) بیٹوں سلیمان اور احمد (31) کی بد عملی سے جاگیر کا نظام خراب ہو گیا ہے۔ عدل اور فرض شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ساری زمین فرید اور نظام کو عطا کر دی جائے تا کہ ان میں سے ایک رعایا کا انتظام کیا کرے اور دوسرا حضرت سلطان کی خدمت میں ٹھہرا رہے "(32)۔ یہ بات حضرت سلطان کو سخت گذری اور کہا کہ ہر کوئی جو اپنے باپ کی ہی شکایت کرے وہ سلاطین

کے اعتماد اور سلطنت جہانداری کے کاموں کے سپرد کیے جانے کے قابل نہ ہے۔ پھر دولت خان نے عرض کیا کہ حسن نے کنیز کے بہکانے سے اور بداندیشوں کے ورغلانے سے اپنے بیٹے سے یہ سلوک روا رکھا ہے اور سلیمان واحمد کے ہاتھ میں اس جاگیر کی داروغگی (33) دے دینا ان زرخیز اضلاع کی سراسر تباہی کی وجہ بنایا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کا عرض کرنا بے سود دیکھ کر خاموشی سے سلام پیش کر دیا (34)۔

(حسن کی وفات اور فرید کی تقرری)

اسی زمانے میں حسن اپنے گھوڑے سے گر گیا اور فوت ہو گیا (35)۔ دولت خان نے حضرت سلطان کو اس بات سے آگاہ کیا اور ان دونوں کی حالت کی جانب توجہ دلائی۔ سلطان ابراہیم نے عہدِ وفاداری اور فرض شناسی (36) لے کر حسن کی جاگیر فرید اور نظام کو فوجی خدمت کی شرط پر دے دی (37)۔ ہزار تنکے سالانہ تفویض کرنے کا حکم دیا۔ فرید نظام کے ساتھ اپنی موروثی جاگیر پر واپس آیا اور عوامی بہبود اور امن عامہ سے متعلق امور کا انتظام کرنے لگا۔ سلیمان کو اپنے سامنے بلایا اور اپنی باتون سے اسے تسلی دی۔ لیکن اس بدنہاد نے صلح وآتشی سے منہ موڑ لیا اور فرید کی شکایت حاکم جونپور کے پاس لے گیا۔ (38)

(حاکم جونپور اور سلیمان)

پوشیدہ نہ رہے کہ یہ وقت ظہیر الدین بابر کی آمد کا تھا۔ (39) ابراہیم کی سلطنت پر وبال عظیم آن پڑا تھا۔ حاکم جونپور نے سلیمان کا وظیفہ مقرر کر دیا اور کہا کہ قرین مصلحت یہ ہے ہم اس معرکے کے فیصلے کا انتظار کریں۔ اگر فتح نے خاندان لودی کی یاری کی تو میں سلطان ابراہیم کو ترغیب دونگا کہ حسن کی جاگیر فرید اور نظام سے لیکر اس کا اہتمام وانتظام سلیمان کے سپرد کر دے۔ پھر فرید کے پاس سفیر بھیج دیا تاکہ معاملات خراب نہ ہوں اور تمام امور صلح وآتشی سے طے پا جائیں۔ (40)

(سفیر نصیر خان)

پوشیدہ نہ رہے کہ اس سفیر کا نام سید نصیر خان (41) تھا جو سلطنت کے عصابردار کے عہدے پر فائز تھا اور خود بڑی وفاداری سے کام کر رہا تھا۔لیکن سلطان ابراہیم نے اس وفا کیش کہ بیٹی کو زبردستی کر کے اپنی حرم میں داخل کرلیا (42)۔نصیر خان اس سلطان ناحق شناس کی بارگاہ سے روپوش ہوگیا۔اور علاؤالدین (43) کی پناہ میں گیا اور اس کے درد کا علاج انتقام کی شکل میں بھڑکا۔دونوں بھائی سریر دولت سلطنت ظہیرالدین بابر میں حاضر ہوئے اور سلطان کے دربار کی حالت اور دولت شہریار کے وابستگان کے نفاق کو والی جم جاہ کے گوش گذار کیا۔بابر نے نصیر خان کو حکم دیا کہ ہماری ہندوستان آمد تک ٹھہرے رہیں اور ہمیں سلطان ابراہیم کے دربار کے حالات سے آگہی حاصل کرنے دیں (44)۔جب نصیر خان ابراہیم ذیشان (45) کے ملک میں پہنچا اور ان کے درمیان صلح ہوگئی تو حکومت کے ہواخواہان میں سے ایک نے جو اس سارے معاملے سے آگاہ تھا حضرت سلطان کو اس آستین کے سانپ سے ہوشیار کردیا۔نصیر خان' بندگاہ سے حاکم جونپور کی پناہ میں آگیا۔یہ ذی مرتبت حاکم (46) جو حضرت دین پناہ شہامت دستگاہ سلطان شہاب الدین غوری رحمتہ اللہ تعالیٰ فی جوار رحمتہ کے خاندان سے تھا اور سلطان ابراہیم لودی کے عداوت اپنے دل میں رکھتا تھا' (اس) نے نصیر خان کو تسلی دی اور دارالقضاء (47) کے معاملات کا انتظام اس جہاں دیدہ آدمی کے سپرد کردیا۔

(محمد خان سور حاکم جونپور)

لیکن ظہیرالدین بابر کی سرکردگی میں مغلوں کے حملے کا خطرہ اور سلطنت افغان کے زوال کے احتمال نے نفاق کو اتفاق میں تبدیل کردیا اور محمد خان سور (48) اظہار فرمانبرداری اور اطاعت دکھا کر مغلوں سے جنگ پر آمادہ ہوگیا۔اور نصیر خان سے کہا کہ سلطان نے (تیری) بیٹی کو اپنے نکاح میں لے لیا ہے۔اب میرے لیے دشمنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(محمد خان کا پیغام اور فرید کا جواب)

مختصر یہ کہ نصیر خان کو فرید کی طرف بھیجا کہ "صلح و آشتی کے ساتھ فیصلہ کر کے کام چلائیں اور ناحق شناسی کو جو کہ سلطنت افغانان کی تباہی کا سبب ہوگئی' درمیان میں سے ختم کر کے مغلوں کے مقابلے پر توجہ دیں۔ لازمی ہے کہ اپنی جاگیر کے مواضع میں سے ایک موضع بھائیوں کو دیا جائے اور جنگجو سواروں کے ساتھ جو اپنی خدمت میں رکھتے ہو' ان کے ساتھ مغلوں کے مقابلے پر کمر باندھی جائے تا کہ افغانوں کی سلطنت کی بقاء کا امکان رہے اور آبائی ملک غیروں کے ہاتھ میں نہ جائے (49) جب نصیر خان نے یہ پیغام دیا تو فرید نے کہا کہ "میرے پاس جو مواضع اور اضلاع ہیں وہ سلطان ابراہیم کے حکم سے میرے ہاتھ آئے ہیں اور میرے نزدیک والی جونپور کا دخل اسمیں جائز نہیں ہے (50)۔ اقلیم ستانی اور جہانبانی کے امور میں رشتہ برادری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جو بھی تلوار مارتا ہے اس کے نام کا سکہ پڑھا جاتا ہے (51)۔ محمد خان کون ہے کہ اس کے کہنے سے اپنے حقوق پامال کروں اور کسی غیر کی دخل اندازی کو جائز مان لوں۔

این خیال است و محال است (52)

اور محمد خان سور کا جنون تو اس ملا التیام بات سے بڑھ گیا اور کہا کہ "اگر میں نے اس متمرد کا غرور تلوار کے زور سے نہ توڑا اور اس کا سر خنجر کی دھار کے نیچے نہ دیا تو میرا نام محمد خان نہیں ہے۔"

(سلطان ابراہیم کا خاتمہ اور فرید کی بہار آمد)

اسی دوران سرزمین ہند پر بابر کی حکومت قائم ہوگئی اور سلطان ابراہیم اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ فرید نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے دوست دار امراء کی تلاش شروع کردی۔ افغانوں کے بڑے حکام میں سے ایک بہادر خان لوہانی (53) تھا کہ جس نے اس طائف الملوکی کے دور میں خود کو سردار ہند (54) کا لقب دے کر صوبہ بہار میں حکومت قائم کرلی تھی۔

(بہادر خان کی ملازمت)

پوشیدہ نہ رہے کہ بہادر خان ایک ایسی مجیل اور بدطینت آدمی تھا کہ جس نے اپنے ذعدوں

کے باوجود سلطان ابراہیم کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا اور اس طرح سے مغلوں کی کامیابی کا سبب بنا تھا۔ اور پھر فرید، نظام کو اپنی جاگیر پر چھوڑ کر (55) اس جانثار (حسن علی) کے ساتھ اس لوہانی سردار کی ملازمت میں چلا گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں میں نے پورا رسوخ پیدا کرلیا (56)۔ مجھے نظارت مال کے عہدے پر مقرر کیا گیا (57) اور فرید کو وزارت کی خدمت اور اپنے بیٹے کی اتالیقی پر فائز کیا گیا۔ (58)

(شیر خان کا خطاب)

ایک روز ہم سیر و تفریح و شکار کے لیے گئے اور ایک مرغزار سے گذر ہوا کہ جہاں کے سبزہ کی نضارت پہاڑ کے دامن میں تھی اور چمنستان کی یاد تازہ کررہی تھی۔ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہرن (کا گوشت) پکا رہا تھا کہ ایک بڑے شیر نے کمین گاہ چھلانگ لگائی اور بہادر پر حملہ کردیا۔ فرید خنجر کھینچ کر شیر کے سر پر آیا اور ایک شدید ضرب دی کہ شیر ایک سے دو (ٹکڑے) ہوگیا۔ جب بہادر خان کے حواس بحال ہوئے تو فرید کو داد مردانگی دی اور اپنی واپسی پر ایک دربار منعقد کرکے فرید کو شیر خان کے لقب سے خطاب کرتے ہوئے بھرے دربار میں اس کا شکریہ ادا کیا اور مخلع بنادیا۔ (59) پھر فرمایا کہ ہم وزارت عظمیٰ (60) کا منصب اور جلال خان کی اتالیقی تجھے مستقل عطا کرتے ہیں۔

(جاگیر کو واپسی)

پھر بہادر سے عرض کیا کہ یہ بندہ پرانے دور سے شہریار کی ملازمت کا شرف حاصل کررہا ہے اور اپنی جاگیر و رعایا اور بھائی کے حالات سے آگاہ نہ ہے۔ اگر آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اس سرزمین میں جاکر اپنے دل کو مطمئن کرلیں۔ بہادر خان نے بطیبِ خاطر اجازت دے دی۔ شیر خان نے کہا کہ "میری ایک دوسری درخواست بھی ہے اگر حضرت شہریار قبول کرلیں گے تو بہت پیار و محبت ہوگی"۔ بہادر خان نے فرمایا کہ کہو تا کہ اس کے۔ لیے مناسب فرمان جاری کروں۔ کہا کہ "حسن علی خان کو بھی اس فرمابرداری کی ہمراہی کی اجازت دیدیں جو میرا قدیم وفادار دوست

ہے"۔اس درخواست نے بھی شرف قبولیت حاصل کرلیا۔ پھر وہ شہر یار وفا نواز اپنی جاگیر کو روانہ ہو گیا۔ ساری رعایا اور لوگوں کو خوشحال دیکھا۔نظام' انتظام حکومت میں مصروف تھا۔ اور تمام معاملات میں انصاف سے روگردانی نہ کرتا تھا۔ شیر خان نے خوشنودی کا اظہار کیا اور انتظام کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لیکر لوگوں کی خدمت میں مشغول (61) ہو گیا۔

ایک روز میں نے عرض کیا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ بہادر کی خدمت میں جا کر شرف ملازمت حاصل کریں۔ شیر خان نے کہا کہ ''بابا! وقت کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ میں ایک مسلح جرار فوج بناؤں اور جنگجو آدمیوں کو اپنے گرد جمع کرلوں تا کہ اس ملوک الطوائف کے دور میں ہم حوادث روزگار سے محفوظ ہو جائیں اور کارساز (62) کی یاری سے سلطنت ہمارے ہاتھ آ جائے۔(63) مجھے سمجھ نہ آیا۔ کیونکہ قیام سلطنت کا امکان مشکل تھا اور بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔

(جاگیر سے بیدخلی)

اور پھر بہادر جس نے خود کو سردار ہند سلطان محمد کا لقب دیا ہوا تھا(64)' اس کے معاملات اس حد تک خراب ہو گئے کہ محمد خان سور نے اس فرمان فرما کا دل خراب کر دیا اور عرض کیا کہ شیر خان کا افواج اکٹھے کرنے کا سبب یہ ہے کہ وہ بدکردار' شہریار کی فوج ظفر موج سے نبرد آزمائی کا خیال رکھتا ہے۔ اس ناحق شناس نے وفا شعاری بھول کر محمد خان کو حکم دیا کہ ان موہومہ جرائم کی پاداش میں شیر خان کو اس کی جاگیر سے بیدخل کر دیا جائے اور وہ تمام اقطاع اور مزارع اس کے بھائیوں احمد اور سلیمان کو عطا کر دیے جائیں۔ ایک ہزار سوار اس کام پر مقرر کیے گئے۔ اس زبردست فوج نے دیگر افواج کے ساتھ مل کر زبردست حملہ کیا۔ ہماری افواج کا سلسلہ ٹوٹ گیا(65) اور ہم انتہائی مایوسی کے عالم میں سلطان جنید برلاس کی جاگیر کی جانب متوجہ ہوئے۔(66)

(جنید برلاس سے تعلق اور جونپور پر حملہ)

پوشیدہ نہ رہے کہ سلطان جنید برلاس(67) حکومت تیموریہ(68) کے وفاداروں اور

وابستگان میں سے ایک تھا اور بہت بڑی فوج اس کے پاس تھی۔اور زہد و تصرف روحانی کے اعتبار سے اپنے دور کا فاضل اور زمانے کا یکتا فرد تھا۔ جب ہم ان کی رہائش گاہ پر پہنچے تو انہوں نے شفقت فرمائی اور تشفی آمیز باتیں ان کی زبان پر آئیں ہم نے آپ تقدس مآب کی خدمت مین اپنے حالات عرض کیے۔انہوں نے ہماری امداد کے لیے ایک لشکر مقرر کر دیا۔ہم نے اس لشکر ظفر پیکر کی مدد سے جونپور کی افواج کو ہلاک کر دیا۔اس سرزمین کا حاکم رہتاس قلعہ کی حصار میں پناہ گذین ہو گیا اور صوبہ جونپور اور جو کچھ اس سے متعلق تھا وہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔اس علاقے کا انتظام ہمارے لیے مشکل تھا (69) لہذا ہم نے وقت کی مصلحت کے مطابق اسے چھوڑ کر پرانی جاگیر پر ہی اکتفا کیا۔(70)

(محمد خان سور سے رجوع)

پھر ہم نے ایک سفیر محمد خان سور کے پاس بھیجا تا کہ وہ دوبارہ حکومت جونپور پر قبضہ کر لے (71)۔اس عقلمند آدمی نے شکریہ ادا کیا اور دل کی دشمنی کو محبت سے بدل دیا۔وفاداری کی قسم بیچ میں ڈالی اور اس صوبے کے انتظام کی جانب متوجہ ہوا۔ یہ بات اطمینان کا باعث ہوگئی۔اس (72) نے اپنی جاگیر اور بعض دیگر مواضع و پرگنات جو اس کے ہاتھ آئے تھے کا انتظام نظام کے سپرد کیا۔(73)

(بابر کے حضور میں)

اور خود اس وفادار کی ہمراہی میں سلطان جنید برلاس کی بارگاہ کی جانب متوجہ ہوا۔شیر خان ان ذی الکرم کی مسرت کا سبب بنا۔جنید حضرت سلطان ظہیر الدین بابر کی ملازمت اور شرف قدم بوسی کی نیت سے جا رہا تھا۔ارشاد فرمایا تا کہ ہم (بھی) ہم رکاب ہو جائیں اور ہم ان جم جاہ کی ملازمت سے شرف یاب ہوں (74)۔ جب ہم بلد مینو سواد (75) کے مستقر پہنچے تو حضرت بابر کی ملازمت کا شرف حاصل کر کے درگاہ کے ملازمین میں شامل ہو گئے۔ بابر نے اس کے حال پر نوازش فرمائی اور خلعت عطاء کی (76)۔سلطان جنید برلاس نے شیر خان کی تعریف میں زبان

کھولی اور شیر خان کو مخاطب کر کے کہا کہ ''لازمی ہے کہ ان شاہ جم جاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کریں کیونکہ وہ سرفرازی کا سبب اور (دیاد دولت) ہے۔شیر خان نے سلاطین تیموریہ کے دستور کی اتباع میں حلف وفاداری اٹھایا(77)۔بابر نے از راہ نوازش ایک بزم ضیافت تیار کی اور شیر خان کو مدعو کیا۔شیر شاہ کے آداب کی سنجیدگی' حضرت بابر کی تحسین کا سبب بنی۔اور پھر کھانا کھانے کے بعد جب ہوش ختم کردینے والی شراب کا دور شروع ہوا تو وہ اس بزم کی اہمیت کو سمجھ کر اٹھ گیا(78) اور مجھ کو خطاب کر کے کہا۔'' بابا! انشاء اللہ ذوالقوۃ المتین۔(79) خاندان تیموریہ کو سرزمین ہند سے بیدخل کردونگا اور افغانوں کی سلطنت پھر سے مضبوطی کے ساتھ قائم کرونگا'' بدقسمتی سے یہ بات ناصر قلی (80) اور اس کے بھائی کے کان میں پڑگئی۔

(بابر کے دربار سے فرار)

انہوں نے فوراً حضرت بابر کے کان میں پہنچادی۔یہ بات اُن ذی جاہ کی آشفتگی کا سبب ہوئی۔ناصر قلی اور مہربان قلی (81) کو حکم دیا کہ شیر خان پر نگاہ رکھیں اور علی الصباح اس افغان کو مجلس میں لے آئیں اور جنید برلاس سے پوچھ تاچھ کریں۔خوش قسمتی سے مجھے اس بات کا احساس ہوگیا اور میں نے شیر خان کو خطرہ سے آگاہ کردیا۔(82) اسی رات کو دو تیز رفتار گھوڑے لے کر ہم اپنی رہائش گاہ کی جانب روانہ ہوگئے۔لیکن جنید برلاس کی خدمت میں چٹھی بھیج دی اور (پوزش) درمیان میں آگئی۔"دیکھیئے کہ بلا اجازت اس روانگی کی اصل یہ تھی کہ قرب وجوار کے سرداروں کی حرکات سے خائف ہوکر واپس آنا ضروری ہوا ہے اور میں مال کی حفاظت اور حقوق دریافت کرنے میں لگا ہوں۔البتہ میں خود کو میں حضرت سلطان کے وابستگان بارگاہ اور جاں نثاران دولت میں سمجھتا ہوں"۔(83)

(سلطان محمد سے صلح)

لیکن شیر خان نے سلطان محمد سے رجوع کیا۔سلطان محمد نے بہت زیادہ مہربانی اور نوازش کی۔پرانی عداوت بھول کر جلال خان کی تعلیم کا انتظام اس کے سپرد کردیا۔اسی دور میں سلطان محمد

عالم جاودانی کو چلا گیا (84)

(بہار پر حکومت)

اور جلال خان اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ البتہ اس ملک کی حکومت اور تمام کاموں کا انتظام شیر خان کے ہاتھ میں تھا کیونکہ اس نے ملکہ بہادر کو اپنے عقد میں لاکر سلطنت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی (85)

(شیر خان کا دربار)

اور خاندان تیموریہ کے اصول کی اتباع کرتے ہوئے ایک دربار سجایا (86)۔ اس پرانے وفادار کو دبیر دولت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ انتظام حکومت کو عدل و مساوات کے اصولوں پر مضبوط کیا۔ حکم دیا کہ رعایا کی اغراض و فوائد اور لوگوں کو مقدم ہے۔ انتظام سلطنت اور امور جہان بانی میں رشتہ اور برادری کو کوئی جگہ نہ دی۔ شیر خان نے جیل خانوں کے قیام کا حکم دیا اور (رانگرانے) ہر ایک پر مقرر فرمایا۔ ان جیل خانوں کے لیے قلعوں میں جگہ بنائی گئی۔ ارشاد فرمایا کہ تمام امرائے دولت افواج اکٹھی کریں اور حلف وفاداری لیں۔ بعض افغان امراء نے اطاعت سے انحراف کیا اور وہ اپنے کیفر کردار تک پہنچے۔ شیر شاہ نے فرمان جاری کیا کہ منحرفوں کو پھانسی چڑھا دو۔ ایک روز شکایت آئی کہ اُن شہر یار کے چچا زاد بھائی (87) نے دس ہزار تنکہ کی بدعنوانی کی ہے۔ اپنی جگہ پر آ کر فرمان جاری کیا کہ اس کی جاگیر ضبط کر کے مجرم کو قتل کر دیں۔ ملک کے محاصل میں چار گنا اضافہ ہوا اور رعایا کو آرام ملا۔

(قطب شاہ کی موت بنگالیوں سے مقابلہ)

پوشیدہ نہ رہے کہ شیر نے بنگالہ کی فتح کے ارادے کو اپنے دل میں جگہ دی۔ اس دوست کے امرائے عظام میں سے ایک نے اس کی داد دی۔ عجیب اتفاق ہوا کہ اس سرزمین کے حاکم نے بھی بہار کی فتح کے خام خیال سے اپنا دل مضبوط کر کے حاکم منگیر (88) کی طرف دوستی بڑھائی۔ ان میں سے دونوں ہی حملے کا ارادہ رکھتے تھے اور ایک بڑی فوج اکٹھی کر کے بہار کی تسخیر پر متوجہ

ہوئے۔شیر خان نے اس امر شنگرف کو سمجھ کر مجھے حاکم منگیر کی جانب بھیجا تا کہ میں اس متمرد کو جنگ سے دور رکھوں۔میں اس کا فرمان بجالایا۔لیکن قطب خان والی منگیر نے شیر خان کی باجگذاری پر اصرار کیا اور صلح وآتشی سے منہ موڑ لیا۔میں بے نیل مدام واپس آ گیا اور اس کے لشکر کے حالات سے آگاہ کیا۔شیر خان نے جلال خانی امرائے دولت کو اکٹھا کر کے مشورلیا اور ہوا خواہان دولت اور اعیان سلطنت نے اتفاق رائے سے جنگ کا مشورہ دیا۔اور افواج تیار کرنے پر لگ گئے۔ غرض کہ لو پورہ (89) کے نواح میں جنگ عظیم ہوئی قطب خان قتل ہو گیا۔(90) اور بے اندازہ مال غنیمت ہمارے ہاتھ آیا۔چار ہزار سرخ مہریں ہمارے ہاتھ آئیں۔شیر خان نے اپنی فوج ظفر موج کو حکم دیا کہ دارالحکومت چلی جائے اور خود بعض امرائے سلطنت مثلاً ضمیر خان (91) و ناصر خان (92) کے ساتھ اسی جگہ ٹھہر گیا۔مشورہ طلب کیا

(خزینے کی تدفین کا راز)

اور کہا کہ اگر بے بہا خزینے کو دارالخلافہ لے گئے تو ناعاقبت اندیشوں کا خطرہ رہے گا۔مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام خزانے کو اسی جگہ دفن کر دیں اور خاص نشانیاں یاد کر کے دارالسلطنت کی جانب متوجہ ہوں۔تمام امرائے حکومت نے شیر خان کی فراست پر آفرین کہا اور گہرے کنویں کھودنے میں مصروف ہو گئے۔تیسری رات سارا خزینہ تاڑے (93) کے نیچے جولور پور کے نواح میں واقع ہے اور دریا کے کنارے سے دور نہیں ہے دفن کر دیا۔ہم واپسی کا ارادہ کر رہے تھے کہ شیر خان نے اس خزانے کو خفیہ رکھنے کا قرآن پر حلف اٹھایا اور تمام امراہ کو بھی اسکی اتباع کرنے کا حکم دیا۔ضمیر خان نے معذرت کی اور کہا کہ ہمارا اقرار کسی حلف سے کم تر نہیں ہے لہذا قرآن مجید کے حلف سے ہمیں آزاد رکھا جائے۔یہ امراء راز شناش نہیں تھا کیونکہ راقم الحروف بھی اس کے ساتھ رہ چکا تھا۔جب افغانوں کی حکومت اسلام شاہ (94) کو ملی تو اس نااہل آدمی نے اس راز کی حقیقت کھول دی اور چونکہ میں نے اس بڑی قسم کی وجہ سے اس راز کے انکشاف کرنے سے انکار کیا تھا۔لہذا سختی برداشت کی۔زمانے کا انقلاب آیا اور میں سلطنت مغلیہ کے قیام کی وجہ

سے دارالخلافہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا (95)۔ ایک دن میرا اس جگہ سے گذر ہوا۔ میں اس سرزمین کی تمام علامات پہچانتا ہوں میرے دل میں شیر خان اور اس یارانہ مجلس کی یاد تازہ ہو گئی۔ مصرع۔

چنیں ست کردار چرخ بلند (96)

مگر خدا کا شکر ہے کہ جس نے مجھے راہ ہدایت پر استقامت عطا کی کہ حکومت و دولت کی دل فریبی مجھے سچی راہ سے گمراہ نہ کر سکی۔ اس خزینہ کے محل وقوع اس کتاب کے صفحات میں (تہجی) چھوڑے دیے ہیں تا کہ اس جگہ کے تعین کی صورت نہیں بن پائے۔

(نوحانیوں کی سازش اور جنگ سورج گڑھ)

پوشیدہ نہ رہے کہ اس ماجرائے شنگراف کے واقع ہونے کے بعد شیر خان نے دارالخلافہ کو واپس کی۔ یہ فتح عظیم جلال خان کے دربار کے امراء کے حسد کا باعث ہوئی۔ تمام امرائے حکومت شیر خان کی تذلیل کے درپے ہو گئے۔ شیر خان نے امراء کی اس سازش سے آگاہ ہو کر اپنی حفاظت کی تدبیر کی اور سرکش امراء کو گرفتار کر لیا۔ اور قلعہ کے جیلوں میں مقید اور بند کر دیا۔ جلال خان جو خود بھی سازش کا بانی تھا وہ اپنی کوتاہی جان کر بہانے گڑھنے لگا۔ امرائے سرکش کی مدد سے اور فرمانروائے بنگالہ سے جنگ کرنے کے بہانے سے سلطان محمود کے مستقر کی جانب روانہ ہو گیا۔ جب سلطان محمود کی بارگاہ میں پہنچا تو صوبہ بہار اس کو دینے (کے وعدے پر) اس کی ملازمت اختیار کی۔ اور شیر خان کی سرکوبی کی فکر میں لگ گیا۔ سلطان ابراہیم پسر قطب کو بھی شیر خان کی سرکوبی (پر ابھارا) (97) (شیر خان) جس نے خود بھی عظیم افواج تیار کر لیں تھیں وہ اس غیر منظّم مجمع کے مقابلے کے لیے نکلا اور دشمن کو منتشر کر کے اس کی حشمت اور ساز و سامان پر قابض ہو گیا۔ (98)

تسخیر قلعہ چنار:

پوشیدہ نہ رہے کہ جب رستم (99) نے اپنے باپ کو قتل کیا تو قلعہ چنار کا انتظام خراب ہو گیا۔ ایک روز ہم سیر و شکار کر رہے تھے کہ اس کی بغاوت کی خبر آئی۔ اس نانہجار نے آس پاس

کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی تدبیر کرلی ہم اس سرکش پدرکش پر عذاب بن کر آئے۔ شیر خان اس رستم نامی بزدل کے شکار سے خوش ہوا(100)۔ قلعہ کے بارے میں تحریر سلام کرکے اس کے بھائی کو بیابیان میں دھکیل دیا ملکہ لاڈو(101) جو تاج خان مقتول کی بیوی تھیا سکو نکاح کا پیغام دیا۔ اس نیک سیرت عورت نے اس پیغام فرخندہ فرجام کو اپنے دل میں قبولیت کی جگہ دی۔ اس طرح سے ہم چنار گڑھ کے قلعے پر قابض ہو گئے۔

(سلطان محمود لودھی کا بہار پر قبضہ)

اسی زمانے میں افغانوں کو مغلوں کے ہاتھوں مزید شکستیں ہوئی۔ سلطان محمود لودی (102) علم سلطنت بلند کرکے جنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ سلطان محمود لودھی اور بابر بادشاہ کے درمیان جنگ اور معرکہ آرائی کا حال اس باب سے متعلق نہیں ہے میں نے دوسری جگہ لکھ دیا ہے۔ پس چاہیے ہم اس بات کی تفصیل کے لیے دیگر باب کی طرف رجوع کریں(103)۔ غرض کہ سلطان محمود پٹنہ آگیا اور سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور بڑی افواج صوبہ بہار کی تسخیر کے لیے روانہ کیں۔ صوبہ بہار پر قابض و متصرف ہو گیا(104)۔ اس سرزمین کے تمام اقطاع اور مزارع سلطنت کے مددگاروں اور حکومت کے امراء کو بخش دیے۔

(شیر خان کی اطاعت)

شیر خان نے مقابلے کی ہمت نہ دیکھی اور سلطان محمود کی اطاعت گذاری کر لی۔ سلطان محمود نے شیر شاہ کو تسلی دی اور کہا کہ ہمیں چاہیے کہ اپنی بکھری ہوئی افواج کو اتحاد کی لڑی میں منظّم کرکے مغلوں سے جنگ کریں۔ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو صوبہ جونپور ہم اپنے قبضے میں لے آئیں گے۔ اور ہم عروس سلطنت (105) کو چلے جائیں گے اور صوبہ بہار پھر سے تجھے عطا کر دینگے۔ شیر خان نے کہا کہ میں اپنی پوری کوشش کرونگا کہ سلطان کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔

تمت بالخیر(106)

مرقوم 5 ربیع الاول 955ھ(107)

حسن علی خان غفرلہ اللہ

(انگریزی ترجمے سے اردو ترجمہ)

باب ششم (108)

دولت شیر شاہی کے فرامین

پوشیدہ نہ رہے کہ شہر آگرہ (109) آفتاب کے زیریں حصے کے علاقے میں آباد ہے۔ اس سرزمین کا ماحول گرم اور خشک ہے۔ اس کے مغرب میں دریائے جمنا (110) اپنے ٹھنڈے پانی کے ساتھ بہتا ہے جس کا نظارہ روح کی غذا کا کام کرتا ہے۔ اس کا ماحول آنکھوں کو ایسی ٹھنڈک پہنچاتا ہے کہ جیسے شوقین ایک دوسرے کے چہرے دیکھ لیں۔ البتہ موسم گرما میں یہ نار جہنم کا کام دیتا ہے اور قدرتی سزا کی نشانی ہے۔ یہ ایک ایسا خطہ ارض ہے کہ گویا جہنم کے علاقوں میں سے روئے زمین پر اتر آیا ہو۔ یہاں کی آب وہوا اور سورج کی تپش پھلوں کو اور اور اس زمین کی دیگر سبزیوں کو خراب کر دیتی ہے۔ اس شہر کے باشندے کالے اور سست ہیں اور دولت کی فراوانی سے لطف اندوز ہوتے ہین بلکہ وہ اپنی کینا جوئی اور مکاری کی وجہ سے ذلیل ہیں اور اپنے دلوں کے ترش پن کی وجہ سے بدنام ہیں۔

(پہلا فرمان: بہبود رعایا پر عمل اور ظلم سے پرہیز)

پہلا فرمان جو دربار شاہی سے جاری ہوا اور سرکاری ملازمین کی ہدایات کے حوالے سے تھا۔ ایک آدمی اپنے ساتھیوں پر معاشرتی طور پر انحصار کرتا ہے اور کوئی بھی عمل جو دیگر لوگوں کو نقصان پہنچائے وہ جادۂ انصاف سے روگردانی ہے۔ انصاف یہ نہیں ہے کہ زیادتی سے باز رکھا جائے بلکہ یہ کہ لوگوں کے ساتھ ایمانداری اور مساوات سے سلوک کیا جائے۔ عوامی خزانے کے خرچ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے رعایا کی بہبود اوران کے آرام کے لیے استعمال کیا جائے۔

بادشاہ کی حفاظت کی بنیاد ہی عوام کی جان و مال کے تحفظ پر مبنی ہے۔ ان کو چاہیے کہ عوام کے تمام طبقات کے ساتھ تمام معاملات میں وہ انصاف اور مساوات کے اصولوں کا استعمال کریں۔ اور طاقتور افسران کو ہدایت دیں تا کہ وہ بھی اپنی اپنی حدود میں ظلم وتعدی سے باز رہنے کی پوری کوشش کریں۔ اگر اس فرمان کے اجراء کے بعد' جو ماننا لازمی ہے، بھی کسی کے ظلم وزیادتی کی کوئی خبر ہمارے شاہی کانوں تک پہنچی تو انہیں سزا دی جائے گی۔(111)

(فرمان پر عمل)

ایک دن صدق کانوں تک یہ بات پہنچی کہ نصیر خان جو جونپور کا حاکم ہے اس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے کیونکہ ایک دن اس نے اس کے بیٹے کو مارا تھا۔ حکم دیا گیا کہ اسے دربار شاہی میں پیش کیا جائے۔ جب وہ بادشاہ کے حضور آیا تو اس نے اسے سزا دی اور اس بے اعتماد شخص کو دوسری دنیا کی سزا سے آزاد کر دیا۔ سلطنت کے امراء خوفزدہ ہو گئے اور اس وحشت ناک سزا سے عبرت حاصل کی اور پھر اس کے بعد ایسی کوئی شکایت نہ سنی گئی۔(112)

دوسرا فرمان شہر کے تاجروں کے بارے میں صادر ہوا کہ "تمام تاجران اور دوکاندار اشیاء کی ماہیت اور قیمتوں اور اوزان میں یکسانیت قائم کرنے کے حوالے سے احتیاط برتیں۔ اگر وہ اس فرمان کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو ایک سو ......(؟) جرمانہ ہو گا۔(113)

(دوسرا فرمان: اشیاء کے نرخ کی بابت)

ان کو شاہی عدالت سے نرخنامہ تیار کرنے ہونگے اور اشیاء کے معیار اور اوزان میں یکسانیت رکھنی ہوگی۔"(114)

(تیسرا فرمان: ہندوؤں کے حقوق کا تحفظ)

تیسرا فرمان شاہد خان لودھی کے نام جاری ہوا کہ "شاہی کانوں تک یہ بات پہنچی کہ اس صوبے کے ہندوؤں نے شکایت کی ہے کہ کچھ سرکاری افسران ان کی مذہبی عبادت کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں۔ ان کو اس طرح کے اعمال سے باز رکھا جائے اور منادر و دھرم شالاؤں میں وہ

کسی بھی طرح کی مداخلت نہیں کریں۔ اگر وہ اس اصول کی خلاف ورزی کریں گے تو انہیں جرمانہ بھی ہوگا اور شاہی سزا بھی ملے گی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے جس کی تابعداری شرع شریف اور دین برہان کے تمام ماننے والوں پر لازمی ہے"۔(115)

(چوتھا فرمان: شاہراؤں کا بہتر انتظام)

چوتھا فرمان سلطنت کے افسران کے نام صادر ہوا۔ " کہ شاہراہوں کی مخدوش حالت، حفاظت کے انتظامات میں خلل کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ ان (شاہراہوں) کی بہتری پر توجہ دیں اور پکی سڑکیں تعمیر کرنے کو اپنا اولین انتظامی فرض سمجھیں۔ اگر خدا نے ہماری مدد کی اور ہم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تو دارالخلافہ سلطنت کے دیگر حصوں سے مل جائے گا اور یوں راہزنوں سے نمٹا جا سکے گا۔ سڑکوں کا باہمی ملاپ انتظامیہ کو طاقت دیتا ہے اور عوام کے لیے امن پیدا کرتا ہے اور دیگر (لوگ) سلطنت سے مل جاتے ہیں۔ تجارت اور کاروبار کی رسی ہاتھوں میں آ جاتی ہے۔ اور اس کی برکت سے انتظامی خلل پر قابو پایا جاتا ہے۔ حکومت کے طریقہ کار اور انتظام کے محل کی بنیاد؛ حکومت کے اصولوں کے یکسانیت سے مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیے انہیں اپنے اصولوں کو ہر ممکنہ حد تک یکساں رکھنا ہوگا تا کہ بدنظمی اور خلفشار سے محفوظ رہیں"۔(116)

(پانچواں فرمان: فوج کے حوالے سے)

پانچواں فرمان فوج کی ضروریات اور ان کی تنخواہوں کی تقسیم کے بارے میں صادر ہوا۔(116A)

(چھٹا فرمان: سفارت روم کی بابت)

چھٹا فرمان محدث میر سید رفیع الدین (116B) کی درخواست پر صادر ہوا" کہ آپ کی رخصت کی درخواست ہمارے پاس پہنچی۔ میری خواہش ہے کہ جناب والا کو سلطان روم (117) کی سفارت پر روانہ کر دوں۔ جب میں ساحل سمندر پر پہنچا تو ان کفار کی کاروائیوں سے مکمل آگہی

ہوئی کہ میں اپنی توجہ ان کافر قزلباشوں (118) کو فتح کرنے پر دونگا (مگر) یہ کام سلطان روم کی مدد کے بغیر طے نہیں پا سکتا"۔

(شاہ فارس کی گستاخی)

پوشیدہ نہ رہے کہ شیر شاہ' عالم پناہ وامیر دین وایمان نے طہاسپ صفوی (119) کے دربار میں ایک سفارت یہ درخواست کرتے ہوئے بھیجی کہ وہ ہمایوں شاہ کو قید کرلے اور اسے دارالخلافہ ہند بھیج دے (120) تاکہ ہندوستان اور فارس کی حکومتوں کے تعلقات قریب تر ہو جائیں۔ طہماسپ نے کہا کہ "اس بے وقوفانہ پیغام کے جواب میں اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ میرے ہاتھ میں چلتی ہوئی صفوی تلوار ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو آجا' تاکہ میں تیری تلوار کی طاقت اور اس کی شان وشکوہ دیکھ سکوں۔" طہماسپ نے امیر عاصم (121) کے کان اور ناک کاٹ دیے اور کہا کہ:

"شیر خان کون ہوتا ہے دربار صفویوں میں سفارت بھیجنے والا۔"

(مغلوں کو سزا)

جب اس وحشت ناک حادثے کی خبر دارالخلافہ پہنچی تو ایک شاہی فرمان صادر ہوا جس میں حکم دیا گیا کہ شہر کے یا سلطنت کے کسی بھی گوشے میں موجود ہمایوں کے مفادات (خاندان) (122) سے وابستہ قزلباش امراء کے 18 دستوں (گروہوں) (123) کو شیر شاہی حکام کی حراست میں دربار شاہی میں پیش کیا جائے۔ ان سب لوگوں کے کان اور ناکیں کاٹ دی گئیں اور ان کو جلاوطن کردیا گیا (124)۔ یہ اس انتقام کی سوچ کا روح وپھل ہے جس نے اسے جنگجو بنا دیا تھا (125)۔

(ترکی سے مشترکہ کاروائی کا منصوبہ)

ایک روز میرے استفسار پر اس نے کہا کہ' ہمایوں شاہ کی جائے پناہ ان تین علاقوں سے باہر نہیں ہے' ترکستان' فارس اور ترکی۔" ترکستان اُن کے لیے سخت زمین کیونکہ ازبکوں کو آل تیمور سے شدید دشمنی ہے (126)۔ لہذا اگر ہم ترکی ایک سفارت بھیج دیں اور اس نفی سلطنت کو قزلباش

کافروں سے لڑنے پر آمادہ کرلیں تو آگ برسانے والا توپ خانہ جو ترکی افواج کا معاون ہے عمل میں لایا جائے گا اور قزلباش سلطنت کو خاک میں ملا دیا جائے گا۔ ترکی افواج کو شمال اور مغرب سے حملہ کرنے دو اور ہماری فوجیں جنوب سے (حملہ کریں) تاکہ قزلباشوں کے غرور کو .....(؟) (127) میں ملایا جاسکے۔

(ساتواں فرمان: ایرانیوں اور مغلوں کے خلاف)

ساتواں فرمان قزلباش باشندوں کے نام جاری ہوا کہ "ان دشمنوں کی تمام اشیاء اور جائیدادیں اب ریاست کی ملکیت ہیں۔ کوئی بھی فارسی شخص قانونی طور پر ہند میں نہیں رہ سکتا۔ وہ لوگ جو فارسی کتوں (128) کو تحفظ دے کر چھپاتے ہیں یا کسی بھی طرح سے ان کی مدد کرتے ہیں وہ ہماری سلطنت (کی جانب سے) تحفظ و حفاظت کے دائرے سے باہر ہیں"۔ (129)

(آٹھواں فرمان: جیل خانہ جات کے بارے میں)

آٹھواں فرمان جیل خانوں کے نگرانوں کے نام صادر ہوا کہ جیل خانوں کی موجودہ صورت حال کو بہتر بنانے کی غرض سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ قیدیوں کو نصیحتیں کی جائیں اور فہمائش کی جائے اور ان کو سزا نہ دی جائے۔ (130)

(نواں فرمان: رشوت کے انسداد کے لیے)

نواں فرمان رشوت کی روک تھام کے لیے صادر ہوا کہ امیر دین و ایمان کے سچائی سننے والے کانوں تک یہ بات پہنچاتی ہے کہ کانگڑہ (131) کے محتسب (132) نے دعوے کے ایک فریق سے ایک رقم لی ہے۔ اور ایک عدالتی حکم جاری کر دیا ہے جس میں ان کو قابلِ کاشت اراضی اور زرخیز کھیت خریدنیکی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس نے حکم دیا کہ محتسب کو دربار شاہی میں پیش کیا جائے۔ اس نے متاثرہ فریق کے گواہان کو بھی سنا۔ جب سچائی ثابت ہوگئی تو اس نے حکم دیا کہ محتسب کو قتل کر دیا جائے اور یہ بھی کہا شیخ مصلح الدین سعدی نے کہا ہے کہ اس دنیا میں ظلم کی بنیادیں بہت چھوٹی (کمزور) ہیں۔ اگر ہم ایک چھوٹے ظلم کی اجازت دے دیں کے اور معمولی

معاملات کو نظر انداز کر دینگے تو بلاشبہ یہ بہت بڑا ہو جائے گا۔ علم سیاست کے اصول اس قسم کی سزا کی اجازت دیتے ہیں۔ میر سید رفیع الدین جو اس دور کے عظیم ترین محدث تھے نے اختلاف کیا اور وہ اکثر سخت زبان استعمال کر جایا کرتے تھے مگر انتظام ریاست کے اصول پر مبنی (اس کے) فرمان کے تقدس اور قانونی جواز کے خلاف کوئی بات قابل پذیرائی نہیں تھی۔ (133)

(دسواں فرمان: انتظام اراضی و محاصل و دیہات وغیرہ کی بابت)

دسواں فرمان سلطنت کی کاشت شدہ اور غیر کاشت شدہ اراضیوں کی پیائش کے بارے میں تھا۔ احمد خان تنگی (134) جو اس نظام انتظام کی روح رواں تھا اور جس کے عہدے نے انتظامی امور میں اسے شہرت دی تھی، اس نے اس کام کو قابل و فاضل برہمنوں کی مدد سے مکمل کر لیا (135)۔ اور ایک دفتر تیار کیا جس مین مالکان کے حقوق اور تمام قابلِ کاشت حقوق کی نوعیت اور اراضی کے دیگر ٹکڑوں کا اندراج کیا گیا۔ زمین مختلف درجوں میں تقسیم کی گئی اور ان میں سے ہر ایک کی قیمت مقرر کی گئی۔ اصول یہ ہے کہ حکومت کی (مقرر کردہ) طلب، اس اراضی سے آنے والی آمدنی سے کم تر ہی ہوگی تا کہ ہر صاحب اراضی کو کاشت کرنے میں دلچسپی ہو اور اس طرح سے اگر بارشوں کی کمی ہو یا پانی وافر نہ ہو تو وہ حکومت کی طلب اور لگان سے خوفزدہ نہ ہوں۔ بلکہ اس نے یہ انتظام کیا کہ مالکان اراضی میں سے ہر شخص اور لگان ادا کرنے والا ہر فرد اپنے لگان کا 1/2 2 فیصد بیت المال میں دے گا تا کہ حادثات کی صورت میں یا قدرتی آفات کی صورت میں یہ رقم خرچ کی جا سکے۔

اگر بارش نہ ہونے کی وجہ سے اس سال کی فصل تباہ ہو جاتی ہے تو یہ ضروری ہے کہ ریاست کے خزانے سے غریب کی مدد کی جائے تا کہ جس حد تک سلطنت کے ذرائع اجازت دیں ان کو مکمل تباہی سے بچایا جا سکے۔

(محاصل کے ذرائع)

پوشیدہ نہ رہے کہ انتظامِ محصول کے تین ذرائع ہیں: پہلا یہ کہ ہم ہر گاؤں سے ایک آدمی کو

حکومتی محاصل کی ادائیگی کا ذمہ دار مقرر کر دیں۔ اس سے یہ توقع کی جائے کہ وہ اراضی اور باغات کے مختلف حصوں سے محصول جمع کرے اور ایک مقررہ رقم ادا کرے۔ لیکن اس طرح سے جبری طاقت کا استعمال بعض جگہ پر ناگزیر ہوگا۔ اس لیے' یہ ضروری ہے کہ حکومتی افسران کو ہدایت کی جائے کہ وہ لوگوں کے حفاظت اور تحفظ کا خیال رکھیں تا کہ کسی بھی علاقے میں کوئی بھی مالگزار عوام کے ساتھ زیادتی کرنے کے لیے اپنا ہاتھ نہ اٹھائے۔ ہندو اور مسلمان دونوں کو ہی یہ حکم ماننا لازم ہے۔ عوام کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے علاوہ اس کے کہ جب شاہی افواج وہاں سے گذریں اور اس وقت ان کو اشیائے ضروریات کی فراہمی انتظام سلطنت کے لیے مددگار ثابت ہو(136)۔ اور جب کبھی یہ ہنگامی حالت ناگزیر ہو جائے۔ کیونکہ دشمن کی شکست سے سلطنت کا تحفظ یقینی ہوتا ہے اور اس سے عوام کی جان و مال کو تحفظ ملتا ہے۔

(دیہات کا نتظام)

انہیں ہر گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ بطور وقف ایک اراضی ملحق ہونی چاہیے۔ اس گاؤں کی آمدنی کو اس کے انتظام کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ اس گاؤں کا انتظام اس گاؤں کی آبادی کے لحاظ سے وہاں کے کچھ افراد کے گروہ کو سپرد کرنا چاہیے تا کہ ان میں سے ہر کوئی اس کی حفاظت کی کوشش کرے۔ موذن جو ملا کہلاتا ہے ایک دن اور ایک رات اپنے فرائض سرانجام دے گا۔ ملا کو قرآن پڑھا ہوا اور دین کے اصولوں سے خوب واقف ہونا چاہیے۔ یہ ملا مذہب کے صدر(137) سے متعلق ہونا چاہیے جو اس شعبہ کی نگرانی کرتا ہے اور جس کا نام دارالخلافہ (شاہی دفتر میں) درج ہے۔ مذکورہ بالا اصول کے تحت ہی ہندوؤں کو بھی حکومت کی جانب سے وقف عطا کیے گئے ہیں۔ یہ پانچ ہندوؤں کے زیر انتظام ہے(138)۔ ہر ملا حساب کتاب صحیح طریقے سے رکھے اور آڈیٹروں کو اس کا معائنہ کرائے گا اور ان کے دفتروں میں اندراج کرائے گا(139)۔ دوسری کتاب میں وہ شادی اور وراثت کا اندراج کرے گا۔

(دینی تعلیم)

ایک مکتب بھی اس سے ملحق ہوگا۔ تا کہ طلباء کو وہاں پر قرآن اور عقائد دین کی تعلیم دی جاسکے۔ ہندوؤں کو بھی اپنی پاٹھ شالاؤں کے انتظام و انصرام کا اختیار ہوگا تا کہ وہ اپنے فنون میں اپنے طلباء کو عالم بنا سکیں (140)۔ اگر کوئی عالم کسی مشکل میں ہو اور ریاست کو اپنی حالت سے آگاہ کرے تو اسے معمولی امداد دی جائے گی کیونکہ ان کی (علماء کی) خدمت دراصل دین و مذہب کی خدمت ہے۔

(صدر بازار کا قیام)

پوشیدہ نہ رہے کہ ہر گاؤں میں اور اسی طرح دیہاتوں (کے گروہ) میں ایک مرکز ہوگا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ایک جگہ کو صدر بازار (141) کا نام دیا گیا ہے اور اس کے ارد گرد شمال جنوب مشرق اور مغرب میں پانچ کوس کے اندر اندر ہر دیہات اس سے ملحق ہوگا۔ جاننا چاہیے کہ گاؤں کے ہر مکھیا کو دو نگران مقرر کرنے چاہیں اور جہاں پر انتظام حکومتی افسران کے ہاتھ میں ہے وہاں پر اعلی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کا تقرر کرے جو امن و امان کے ذمہ دار ہونگے۔

ان ملازمین کا فرض ہے کہ وہ مرکزی ارباب اختیار کو تمام معاملات مثلاً بارشیں، نقص امن اور مسافروں کے داخلے کی اجازت اور روانگی سے مطلع رکھیں۔ ہر گاؤں میں ایک نویس کنندہ ہوگا جس کے فرائض وہی ہونگے جو نگران کے فرائض ہوتے ہیں۔ اس کے فرائض میں ملکیت کے حقوق، اراضیوں کی حدود اور لگان مقدار کو روزنامچے میں درج کرنا شامل ہے۔ تمام رقوم (مرکز کو) بھیجی جائیں گی۔ یہ باتیں دیہات اور اس کی انتظامیہ کی کارکردگی کے حوالے سے درست ہیں۔

اب اہم انتظامی مراکز کی جانب آتے ہیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ ہر مرکز کا ایک ناظم ہوگا جو اس علاقے کا محاصل کہلائے گا۔ اس (علاقے) کا انتظام و انصرام اس کی فراست پر منحصر ہوتا ہے۔ وہ انتظامیہ کو چلائے گا۔ (142)

(گیارہواں فرمان: سڑکوں کی آرائش کی بابت)

گیارہواں فرمان سڑکوں کی مرمت کے نگرانوں کے نام صادر ہوا۔ ان کو چاہیے کہ "وہ سڑکوں کے دونوں جانب آلو بخارے اور کھیرنی اور آموں کے درخت لگائیں اور ایک مناسب فاصلے پر سرائیں قائم کریں جو تمام ضروریات آسائش سے مزین ہوں تا کہ ذرائع آمد و رفت کو زیادہ سہولت آمیز بنایا جائے اور مسافروں کو کوئی تکلیف نہ ہو"۔(143)

(بارہواں فرمان: حاکم موضع کی ذمہ داری کی بابت)

بارہواں فرمان سلطان کے صداقت سننے والے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ راہزنوں نے ایک موضع پر حملہ کر دیا ہے اور ایک بڑا مال و دولت اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ اس موضع کے ذمہ دار حاکم کو برطرف کیا جائے۔ فرمایا کہ اگر وہ غفلت میں نہیں ہوتا تو ایسا وقوع پذیر ہی نہیں ہوتا۔(144)

(تیرھواں فرمان: خبر گیری سے متعلق)

تیرھواں فرمان خبر گیری سے متعلق۔ سلطان کے سچائی سننے والے کانوں کو بتایا گیا کہ ملا ضمیر سندھی (145) شریعت برہان کی باتیں بتانے والوں کو گمراہ کرتا ہے اور ہندوؤں کے اصولوں کا درس دیتا ہے جو کہ پیغمبر ﷺ کے مقدس دین سے انحراف ہے۔

اس نے حکم دیا کہ "اس موضی کو اس کے عقائد کی تبلیغ سے روکا جائے۔ اگر کوئی بھی شخص ایسا کرے تو اس کو صدر دین کے حضور لایا جائے تا کہ اس کے معاملے میں شریعت کے نظریہ اور عمل کا اطلاق کیا جائے اور وہ اپنے اعمال کا صلہ پائے۔(146)

(چودھواں فرمان: حسن علی خان کے اعزاز میں)

چودھواں فرمان حسن علی خان خادم و راقم الحروف (147) کے نام سلطان ظل الٰہی کی جانب سے جاری ہوا کہ جس (خدا) کے احکامات کی پابندی زمین پر لازم ہے۔" بنام پناہ گاہ عزت، عالم خدا، رکن الدولہ، شمع دولت، یار وفادار حسن علی خان بہادر۔ آپ کی روشن فراست پر عیاں ہے کہ

وفاداری سلطنت کا بہترین زیور ہے اور بے خطاء فراست اس کا زیور ہے یہ خواص کبری جو کسی نامور کو عطا کی جاتی ہیں، بنائے حکومت کو استحکام بخشتی ہیں اور اس کے قوانین کی کامیابی کو یقینی بناتی ہیں اب جب کہ خدائے عزوجلال نے ہمیں ہندوستان کی سلطنت عطاء کی ہے اور مختلف بادشاہتوں اور جنگلی چغتائیوں کی ماتحتی کو کامیابی اور فروغ سے بدل دیا ہے اور سلطنت نے ہمارے دلوں کی خواہش کو پورا کر دیا ہے ہمیں مناسب یہ لگتا ہے کہ ہم اپنے دوست کے خلوص کا شکریہ ادا کریں۔لہذا ایک فرمان براین ضمن صادر کیا جاتا ہے کہ ہم اس اعلی نسب (حسن علی خان) کو امیر آسمان شکوہ کا خطاب عطاء کرتے ہیں اور اراکین دولت وامرائے سلطنت کو شاہی فرامین کے ذریعے حکم صادر فرماتے ہیں کہ آپ اعلین سب کو پناہ گاہ عزت' عالم خدا (دین) رکن الدولہ' وابستہ دولت شیر شاہ' یار وفادار خان حسن علی خان بہادر امیر آسمان شکوہ کے نام سے یاد کیا جائے۔سیکرہ (148) اور اس کے نواح کی جاگیر کو عالی نسب کو درباری خدمات کے اضافے کے ساتھ عطاء کی جائیں گی۔

آپ حکومت کی خدمات سے دست کشان نہیں ہونگے اور پہلے کی طرح سے صدر الصدور (149) کے فرائض اور خزانے کے انتظامی امور اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔

تحریر بمقام دار الخلافہ شریف سال ..... ہجری (150)

مہر سلطان شیر شاہ (151)

(پندرہواں فرمان: اشیاء کی فروخت پر پابندی)

پندرہواں فرمان اشیاء کی فروخت پر پابندی کے حوالے سے تھا۔اس فرمان کی حدود اختیار دار الخلافہ اور اس کے نواحی علاقوں تک محدود تھیں۔(152)

(سولہواں فرمان: شیر شاہ کے قتل کی سازش کے مجرموں کی بابت)

سولہواں فرمان سلطان کے سچائی سننے والے کانوں تک یہ اطلاع پہنچائی گئی کہ کچھ نا قابل اعتبار موضی اپنی بدروش کی وجہ سے .....؟.....(153) بہت سے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے اور

سلطنت خداداد کو خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس گل کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جو حاصدوں کی نظر میں کانٹے کی مانند ہے اور کچھ علمائے دین بھی ان کی حمایت کر رہے ہیں۔ ہم نے اس (خبر) کی صداقت جاننے کی کوشش کی تو ہم پر حقیقت حال واضح ہوگئی۔ اس فساد کا بانی مبانی ضمیر خان سندھی (154) تھا جو ہمایوں شاہ کا جاسوس تھا (155)۔ ضمیر احمد خان کو گرفتار کرنے کا فرمان صادر ہوا اور امیر ناصر تغلق (156) نے اس کی رہائی کی درخواست کی اور اس بات کو بہتان باندھنے والوں کی سازش قرار دیا۔ مولانا رفیع جو اپنے وقت کے ممتاز محدث تھے انہوں نے ان کی موت کا فتویٰ صادر فرمایا۔

(شیر شاہ قتل کی سازش)

اس خفیہ معاملے کی صداقت یہ ہے کہ کچھ خلجی اور تغلق امراء (157) نے اپنیت رقی کے بارے میں سوچا اور نصیر الدین ہمایوں کے پاس ایک سفارت اس کے ساتھ اپنی وفاداری اور خلوص ثابت کرنے کے لیے بھیجی اور اسے فتح کے لیے مدعو کیا (158)۔ ان کا لائق ملامت منصوبہ سلطان کی ملازمت میں آ کر دھوکے سے اسے قتل کرنے کا تھا۔ الحمدللہ کہ امیر ناصر تغلق کے سپاہیوں میں سے ایک نے سلطان کو آگاہ کر دیا اور ان کی بیخ کنی کی ہماری کوشش کامیاب ہوگئی۔ (159)

(سترہواں فرمان: سازشوں کی بابت)

سترہواں فرمان پوشیدہ نہ رہے کہ شیخ الاسلام عبداللہ سلطان پوری (160) جسب ناوٹی زہد کی کوشش نے دنیا کو جال میں پھانس لیا ہے، اس کے دھوکے کے جال میں وہ ہمایوں کی سلطنت کے ہوا خواہوں میں سے ایک ہے۔ ایک روز سلطان نے فرمایا کہ "حسن بابا! میں کیا کروں کیونکہ میرا دل ان ملاؤں کی کارستانیوں سے پاش پاش ہوگیا ہے۔ (161) میری خواہش ہے کہ ان سب کو تختہ دار پر چڑھا دوں اور خود کو اس خیال سے بچالوں جو ان کے (دلوں میں) زندہ ہے۔ میں نے اسے اس اقدام کے خطرے سے آگاہ کیا اور اسے حافظ کا وہ کلام یاد کرنے کو کہا جس نے کہا ہے کہ فہموں فراست کر کیکسی کو خوش اطواری سے محکوم بنایا جاسکتا ہے۔ (162)

(ختم شد)

تحقیقی حواشی

1۔اس کتاب کے باقی ماندہ صفحات کا آغاز اس باب و سرخی سے ہوتا ہے۔

2۔ "منگیر" عہد وسطیٰ میں بہار کا ایک اہم شہر تھا اور اسی نسبت سے ایک سرکار بھی قائم تھی دیگر مورخین بیان کرتے ہیں کہ میاں حسن (شیر شاہ کا باپ) کی جاگیر میں صرف سہسرام اور خاص پورتانڈہ تھے۔(تاریخ شیر شاہی ص ۱۱+ منتخب التواریخ ص 246+فرشتہ ص 462+ تاریخ شاہی ص 176+ مخزن ص 211+طبقات ۱۱ ص 113 + خلاصۃ التواریخ ص 218+ افسانہ شاہاں ص 69) جناب اقتدار حسین صدیقی صاحب نے اس حوالے سے بھی تواریخ دولت شیر شاہی کو جعل سازی قرار دیا ہے کہ اس میں شیر شاہ کے باپ کی جاگیر مونگیر بتائی ہے حالانکہ اس وقت مونگیر کا حاکم قطب خان تھا جو بنگال کے بادشاہ کا امیر تھا اور یہ علاقہ سلطنت بنگال میں شامل تھا مگر اس حوالے سے یہ عرض کروں گا کہ اکبر دور میں اس نام کے دو پرگنے تھے۔ایک صوبہ بہار میں سرکار مونگیر کا مرکز جو مونگیر کہلاتا تھا۔(آئین اکبری ۱۱ ص 821)اور دوسرا صوبہ الہ آباد سرکار جونپور میں مونگرا(آئین ۱۱ ص 836)اور یہ دوسرا پرگنہ مونگرا جونپور اور سہسرام دونوں کے قریب تھا۔اس لیے یہ بھی میاں حسن سور کی جاگیر میں تھا جس کا ذکر دولت شیر شاہی میں ہے۔جبکہ باقی مورخین جنہوں نے اپنی کتب شیر شاہ کی وفات کے کم از کم 28 سال بعد تحریر کیں انہوں نے اس کو فراموش کر دیا۔

پرگنوں کے محل ووقوع کے حوالے سے مختلف ادوار میں مختلف تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔طبقات میں سہسرام اور خواص پورتانڈہ کو سرکار روہتاس صوبہ بہار میں قرار دیا گیا ہے(طبقات ۱۱ ص113)فرشتہ نے بھی اسکی تصدیق کی ہے(فرشتہ ۱۱ ص 462)

ملا بدایونی بھی اسکی تصدیق کرتا ہے (منتخب التواریخ ص 246) اس سے ظاہر ہے کہ جب میاں حسن کو جاگیر ملی تب یہ پرگنے سرکار روہتاس میں تھے، مگر افسانہ شاہان کا کہنا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ سرکاروں میں سے تھے۔ اس کا مصنف لکھتا ہے کہ سہسرام کی جاگیر میاں حسن کو سلطان سکندر نے جبکہ خاص پورتانڈہ کی جاگیر اس وقت کے وزیر برہان (وزیراعظم) دریا خان جو صوبہ بہار کا حاکم تھا اس نے اپنی طرف سے دی تھی اور خاص پورتانڈہ اس وقت سرکاری غازی پور صوبہ الہ آباد میں تھا۔ (افسانہ شاہان ص 69) لیکن اکبر کے دور میں تبدیلیاں کی گئیں سہسرام کو سرکار روہتاس صوبہ بہار میں ہی رہا۔ مگر خاص پور تانڈہ سرکار جونپور شمالی صوبہ الہ آباد میں شامل کیا گیا (آئین II ص 834,827)۔ اسطرح سے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جس منگیر کا ذکر تواریخ دولت شیر شاہی میں ہے وہ مونگیر نہیں بلکہ مونگرا ہے۔ اور یہ ابہام جو صدیقی صاحب نے بیان کیا ہے وہ ناموں کی مماثلث اور مختلف ادوار کی انتظامی تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

3۔ بیگار کے خاتمے کے حوالے سے یہ معلومات نئی ہے جس کی کسی اور تاریخ میں وضاحت نہیں ہے۔

4۔ اس سے ظاہر ہے کہ شیر شاہ شروع سے عوام کی بھلائی کو فوقیت دیتا تھا۔

5۔ ناجائز ٹیکسوں کی معافی بھی نئی معلومات میں شامل ہے البتہ عباس سروانی نے اس کا مختصر ذکر کیا ہے (شیر شاہی ص 18-17)

6۔ یہ معلومات بھی نئی ہے کہ شیر شاہ نے ابتدائی دور میں بھی اپنے لیے ماتحت افسران کا تقرر کیا تھا۔

7۔ یعنی شیر شاہ کا نظریہ یہ تھا کہ سردار کو سردا، رحکومت کرنے سے زیادہ اپنی قوم کی خدمات سرانجام دینے کے لیے بنایا جاتا ہے۔

8۔ اس حوالے سے کہیں وضاحت نہیں ملتی کہ آیا اسکے اپنے علاقوں میں پہلے سے ایک ہزار کسان موجود تھے یا پھر دیگر علاقوں سے جو کسان اسکے علاقے میں پناہ گزین ہوئے انکی تعداد ایک

ہزار تھی۔ بظاہر یہاں ذکر پناہ گزین کسانوں کا ہی ہے جن میں جے سنگھ بھی شامل تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس جانب اشارہ عباس خان سروانی نے بھی کیا ہے کہ مک بہار میں شیر شاہ کی شہرت تھی جو اسکے حسن انتظام سے تھی اور بہار کے امراء بھی اسکو داد دیتے تھے اسکا (شیر شاہی ص 23) کوئی بعید نہیں کہ اس وجہ سے کسان بھاری تعداد میں اس کے پاس آگئے ہوں۔

9۔ "المضاعف" عربی لفظ ہے جس کا مطلب ہے؟

10۔ مارا اڑ راجپوتا ند (راجستھان) کے وسط میں ایک علاقے کا نام ہے۔

11۔ ہندوؤں میں چار ذاتیں ہیں (۱) برہمن جو زیادہ تر مذہبی امور نمٹاتے ہیں۔ یہ سب سے اعلی ذات ہے۔ (۲) چھتری جن کو کھشتری اور کچھتری بھی کہتے ہیں یہ سیاست اور جنگوں کے معاملات نمٹاتے ہیں یہ دو ذاتیں اعلی ہیں۔ (۳) تیسرے ویش جو کھیتوں میں کام کرتے ہیں زیادہ تر کسان اور دہقان انہی ذاتوں سے ہوتے ہیں۔ (۴) چوتھے شود جو باقی تین ذاتوں کی خدمت کرتے تھے اور نچلے درجے کے کام کرتے تھے۔ ان چاروں ذاتوں کی سختیاں اسی طرح سے برقرار رہیں اور انگریزوں کی آمد کے بعد ان سختیوں میں بڑی حد تک نرمی آئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسن علی نے جے سنگھ کو ایک جانب تو ذات کا چھتری لکھا ہے۔ اس ذات کا کام سیاسی امور اور جنگی امور نمٹانا تھا۔ دوسری جانب وہ اسے پیشے کا دہقان بتا رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیانی دور میں سیاسی حالات، جنگوں اور مذہبی اثرات کے زیر اثر پیشوں کی بنیاد پر ذات پات کی تقسیم ٹوٹنے لگی تھی۔ اور بہت سے چھتری معاشی بدحالی کے بعد وہ پیسے بھی اختیار کرنے لگے تھے جو دوسری ذاتوں سے متعلق تھے۔ اسی وجہ سے جے سنگھ جو چھتری ذات تھا وہ سہسرام آ کر دہقانی کرنے لگا تھا۔ یہ معلومات بھی نئی ہے۔ جے سنگھ کی ذیلی ذات راٹھور تھی۔ (دیکھیئے حاشیہ نمبر 15)

12۔ یہ جے سنگھ ایک عام آدمی تھا یہی وجہ ہے کہ اس کا نام کہیں اور محفوظ نہیں رہا۔

13۔ میں سے مراد ہے کہ مصنف کتاب حسن علی خان جو شیر شاہ کے ساتھ شروع سے تھا۔

14۔ "شنگرف" سے مراد ہے ایک پتھر جو بہت بھاری وزن کا ہوتا ہے۔ اسے حکیم اور وید لوگ دوائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

یہاں اس کا مطلب ہے کہ "سنگین معاملہ"

15۔ مصنف یہاں پر جے سنگھ کی ذیلی ذات راٹھور کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ راٹھور دراصل راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ راجپوتوں کے اکثر راجے مہاراجے اس ذات سے تعلق رکھتے تھے۔

16۔ نو دن تک ماتم شاید اس دور میں راٹھور راج پوتوں کی کوئی تعزیتی رسم ہوگی۔ یا شاید اس بیٹی نے دسویں دن خودکشی کر لی جو مصنف کو نو دن یاد رہے۔

17۔ حسن یعنی مصنف کتاب حسن علی خان

18۔ ترجمہ: دنیا ہر طرح کی آزمائش گاہ ہے

یہاں اسطرح کے واقعات بہت ہوتے ہیں

تم جتنا بھی اس کے بارے میں سوچو گے

اسے خاک میں ہی لوٹ جانا ہوگا

اسکے چلے جانے سے فرار بالکل نہیں ہو سکتا

میں نہیں جانتا کہ اس کام کا انجام کیا ہوگا۔

19۔ جو کچھ اس (زمین) پر ہے وہ سب فنا ہونے والا ہے۔ اور جو باقی رہ جائے گا وہ تیرے رب ذوالجلال والاکرام کی ذات ہے (سورۃ رحمٰن: القرآن)

20۔ صوفیاء کی رائے میں محبوب دو قسم کے ہیں ایک محبوب مجازی۔ یعنی وہ شخص یا شے جو اس دنیا میں ہے اور جس سے ہم پیار کرتے ہیں۔ وہ فنا ہونے والی ہے۔ اسی لیے اُسے محبوب مجازی

کہتے ہیں۔دوسرا محبوب حقیقی یعنی خدا تعالیٰ جو غیر فانی ہے۔کیونکہ وہ ہمیشہ رہے گا اسی وجہ سے وہ حقیقت ہے اور اسے حقیقی محبوب کہتے ہیں۔اسکے علاوہ سب کچھ دھوکا ہے۔صوفیاء کی رائے میں صرف اسی سے محبت کرنی چاہیئے۔

21۔بے شک ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور ہم اسکی جانب لوٹ جائیں گے (القرآن)

22۔شیریں اور فرہاد کا قصہ پرانی داستان ہے کہ فرہاد نامی لکڑ ہارا شیریں نامی ملکہ سے عشق کیا کرتا تھا۔یہ داستان ایسی ہے جیسے لیلیٰ مجنوں یا سسی پنوں کی ہے۔

23۔یہاں مراد ہے فرید کی سوتیلی ماں اور حسن کی کنیز ہے جس کا نام پرستار یا پرستاران تھا۔حسن کی چار بیویاں تھیں اور ہر بیوی سے دو لڑکے تھے۔فرید اور نظام پٹھانی بیوی سے۔علی اور یوسف ایک ماں سے۔خورم اور شادی خان ایک ماں سے اور سلیمان اور احمد ایک ماں سے (شیر شاہی ص 12-11) احمد یادگار نے پانچ بیٹے لکھے ہیں۔فرید اور نظام افغان بیوی سے۔سلیمان احمد اور مدا کنیز سے (تاریخ شاہی 177) طبقات میں بھی اسکے 8 لڑکے درج ہیں (ص 113) جن میں صرف فرید اور نظام افغان بیوی کے بطن سے بیان کئے گئے ہیں۔افسانہ شاہان کے مطابق فرید اور نظام ایک بیوی سے ہوئے (ص 69) اور باقی بھائی کنیز میں سے تھے مگر ان کے نام درج نہ ہیں (ص 70) مخزن میں ہے کہ فرید اور نظام ایک افغانی بیوی سے تھے اور باقی چھ لڑکے ایک کنیز سے تھے (ص 448,211) آگے ہے کہ حسن کی ایک کنیز سے تین لڑکے سلیمان، احمد اور مدا تھے (ص 213)۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فرید اور نظام کے مد مقابل تمام مورخین صرف سلیمان اور احمد کو پیش کرتے ہیں۔مدّا (خواہ ان کا سگا تھا یا سوتیلا تھا) کا ذکر اور کہیں نہیں ملتا۔شاید وہ اس وقت کمسن ہوگا۔مخزن میں ایک دوسری جگہ ان کے نام یوں ہیں: فرید، نظام، سلیمان، احمد، علی، یوسف اور شادی خان (ص 448) شاید خورم کو ہی مدا کہتے تھے۔یہ کنیز ہندستی نما تھی (مخزن 214)۔ابنِ رائے نے اسے ہندو مذہب سے متعلق لکھا ہے اور اس ضمن میں مخزن کا حوالہ

دیا ہے(New light on Sher Shah ص 55 نوٹ 3) جو غلط ہے۔ فارسی متن مخزن افغانی میں لفظ "ھندیہ" استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہندوستانی ہے نہ کہ ہندو مذہب کی۔ یہاں اس کا نام بی بی پرستار بیان کیا گیا ہے جبکہ فرید کی ماں کا نام معلوم نہیں۔ اسے قوم کی نسبت سے بی بی افغانی لکھا گیا ہے۔ بی بی پرستاران کے نام کی تصدیق مخزن افغانی بھی کرتی ہے (ص 448)۔

24۔ الفاظ "میں تمام پرانی شکایات کو مہمل الزام سمجھتا ہوں لیکن اس آخری بات کے وقوع ہونے سے پایہ ثبوت تک پہنچتی ہیں" کو اس سے قبل کہ جملے "اس دوسرے واقعے سے پہلی بات پر دلالت کی" کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرید سے اس کے باپ کو ایک شکایت نہ تھی بلکہ کئی شکایات تھیں۔ خصوصاً دو ایسے واقعات تھے جن سے وہ فرید سے بیزار رہا۔ اس میں دوسرا واقعہ تو یہی فرید کی عاشق مزاجی تھا۔ اور پہلا واقعہ کیا تھا؟ وہ "واقع" کنیز کا بہکاوا نہیں ہو سکتا کیونکہ کنیز نے دو واقعات جمع ہونے کے بعد حسن کو یہ بات باور کرائی کہ سہسرام اور خاص پور تانڈہ کی جاگیر اسکے بیٹوں کو ملنا مناسب ہے۔ پہلا واقعہ اس جاگیر کے ملنے سے قبل ہوا تھا۔ تمام مورخین نے فرید کی جاگیر سے بیدخلی محض کنیز کے بہکانے یا اس کنیز کے حسن کے ساتھ پرانا وعدہ یاد دلانے سے منسوب کی ہے۔ سیاسی اور تاریخی اعتبار سے یہ بات مشکل نظر آتی ہے۔ اصل سبب کچھ اور ہونا چاہیئے۔ ان میں سے دو واقعات کی طرف حسن علی نے اشارہ کیا ہے اور ان کو درج بھی کیا ہے۔ دوسرا واقع فرید کی عاشق مزاجی میں پڑ کر غفلت ہے۔ پہلا واقع بھی حسن علی نے ریکارڈ کیا تھا (جیسا کہ اس کا اشارہ بھی دیا ہے) مگر وہ کتاب کے گمشدہ صفحات میں رہ گیا۔

افسانہ شاہان میں فرید کی جونپور جا کر تعلیم حاصل کرنے سے قبل کی بھی ایک غلطی درج ہے جس پر اس کا باپ حسن اس سے ناراض تھا۔ اور حسن کی ناراضگی کی سیاسی بلکہ معقول وجہ وہی معلوم ہوتی ہے:

"اور بہار خان پسر دریا خان حاکم بن گیا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور بہت سے لوگ اکٹھے کر لیے مثلاً شیر شاہ اور محمد خان چو ہندیہہ وغیرہ بہت سوں کو جمع کر کے سلطان ابراہیم پر بھی فوج کش کر دی۔ (وہ لوگ) کوچ بہ کوچ اس جگہ مانک پورہ کڑہ پہنچ گئے سلطان ابراہیم بھی افواج تیار کر کے آ گیا حسوہ نام ایک گاؤں ہے۔ وہیں پر جنگ ہوئی۔ آخر کار بہار خان شکست کھا کر واپس بہار آ گیا۔ اس وقت کے بعد سے سلطان ابراہیم نے اس گاؤں کا نام فتح پور رکھ دیا... کہتے ہیں کہ شیر شاہ بہار خان کے ہمراہ تھا ۔اس کے پاس سپاہی تھے۔ اس "جنگ" پر خزانہ خرچ ہو گیا۔ جب وہ بہار خان کے ساتھ شکست خوردہ واپس آیا تو شیر شاہ کا والد میاں حسن بہت دل گیر ہوا کہ تو نے کیوں اسطرح سے خزانہ ضائع کر دیا۔ میں نے تجھے منع کیا تھا کہ ان کے ساتھ مت ہو۔ شیر شاہ میاں حسن سے دل گیر ہو گیا اور دنیا چھوڑ کر جونپور میں بندگی میاں شیخ ادھن کے حضور میں جا کر بیٹھ گیا۔ شیر شاہ کا بڑا بھائی میاں نظام باپ کے پاس سہسرام میں تھا۔ آخر اُنہی دنوں میاں حسن نے وفات پائی" (افسانہ شاہان ص 70 - 69)

ممکن ہے کہ یہی بات تواریخ دولت شیر شاہی کے گمشدہ اوراق میں بھی درج ہو اور جس کی جانب مصنف نے "پہلی بات" لکھ کر اشارہ کیا ہے۔ کتاب کے متن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بات فرید کے انتظام جاگیر سے قبل واقع ہو چکی ہے۔

لفظ "پرانی شکایات" اور "پچھلی باتیں" اس جانب اشارہ کرتی ہیں کہ فرید کے خلاف اور بھی باتیں حسن سے کی گئیں۔ شاید اُن سے مراد وہ سختیاں ہیں جو فرید نے حُسنِ انتظام کی غرض سے پرگنہ کے عہدیداروں پر کیں اور ان میں حسن خان سور کے بعض رشتہ دار اور دوست بھی شامل تھے۔ اس کی تفصیل تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی میں ہے (ص 13 تا 25 خصوصاً ص 14و16) جس میں فرید نے اپنے باپ کو جاگیر پر جانے سے قبل کہہ دیا تھا کہ آپ کے عزیز (رشتہ دار) بھی ظلم وستم میں ملوث ہیں۔ فرید نے اپنے انتظام میں کرپشن کا خاتمہ کیا اور یہی باتیں کرپٹ اور بدیانت لوگوں نے حسن سے بطور شکایت بیان کیں۔

25۔ فاعتبروا یا اولی الابصار (اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو)

26۔یہ انتظام سلیمان اور احمد کے سپرد کیا گیا (شیر شاہی ص30۔27+ تاریخ شاہی ص177+ طبقات II ص116۔115+ مخزن افغانی ص213)

27۔شیر شاہ کے اس بھائی کا نام نظام تھا جو اسکی ماں کے پیٹ سے تھا۔اس نے شیر شاہ کے دست راست کا کردار ادا کیا۔یہ ہر موقع پر شیر شاہ کے ساتھ رہا اور جب بھی شیر شاہ پر بُرا وقت آیا تو شیر شاہ نے اسی کو اپنے خاندان اور قبیلے کی حفاظت سپرد کی۔چونکہ شیر شاہ بادشاہ بن گیا لہٰذا نظام کا کردار پس منظر میں چلا گیا۔

28۔سلطان ابراہیم لودھی، ہندوستان کے لودھی حکمران خاندان کا تیسرا اور آخری حکمران تھا۔اس نے 1517ء سے لیکر 1526ء تک ہندوستان پر حکومت کی۔وہ ایک ذہین اور سخی حکمران تھا۔اس کے ساتھ مورخین نے انصاف نہیں کیا جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ جنگ ہار گیا اور مارا گیا۔اگر وہ جنگ جیت جاتا تو مورخین اس کو بھی وہی درجہ دیتے جو سلطان سکندر لودھی کو دیتے ہیں۔ابراہیم لودھی کے دور میں اس کے بعض امراء اس کے خلاف ہو گئے۔دریا خان بہار میں بادشاہ بن بیٹھا۔دولت خان لودھی نے پنجاب میں علم بغاوت بلند کیا۔اسی کی دعوت پر بابر نے پنجاب پر قبضہ کیا اگرچہ بعد ازاں یہ دولت خان لودھی بھی بابر کے خلاف ہو گیا۔ابراہیم لودھی پچاس ہزار فوج کے ساتھ بابر کے مدِ مقابل آیا اور بابر تقریباً پچاس ہزار فوج کے ساتھ آیا۔پانی پت کے میدان میں اُن کی مشہور جنگ ہوئی۔دونوں فوجوں میں شدید مقابلہ ہوا اور تقریباً آٹھ گھنٹے کی جنگ کے بعد بابر کو فتح ہو گئی اور ابراہیم لودھی لڑتے ہوئے مارا گیا۔یہ ہندوستان کا واحد حکمران ہے جو میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔

29۔امیر دولت خان، ابراہیم لودھی کے امراء میں سے تھا۔تواریخ دولت شیر شاہی میں اسکے ساتھ لودھی درج نہیں ہے۔منتخب التواریخ طبقاتِ اکبری اور تاریخ شاہی میں بھی اسکے نام کے ساتھ لودھی نہیں لکھا۔البتہ فرشتہ نے اسکو دولت خان لودھی درج کیا ہے (II ص463) لیکن یہ بات غلط ہے کہ یہ دولت خان وہی دولت خان لودھی تھا جس نے بابر

کو بند پر حملے کی دعوت دی۔ تاریخ شیر شاہی میں اکبر خان سروانی نے تحریر کیا ہے کہ:

"دولت خان بیٹا بدھو کا جو خانہ زاد اعظم ہمایوں
سروانی کا اور بارہ ہزار سوار کا سردار تھا، سلطان
ابراہیم اس پر نہایت شفقت اور مہربانی فرماتا
تھا، فرید نے اسے اپنا وسیلہ کیا"۔(ص 32-31)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ دولت خان بدھو خان کا بیٹا تھا جو سلطان ابراہیم کا نائب تھا (واقعات مشتاقی ص 121) تواریخ دولت شیر شاہی اور دولت شیر شاہی نیز دیگر کتب سے واضح ہے کہ جب دولت خان پہلی بار فرید کو ملا تب سے لیکر اسکے سہسرام واپس جانے تک فرید اسی دولت خان کے پاس آگرہ میں رہا۔ یعنی یہ دولت خان جو امرائے عظام میں سے تھا وہ آگرہ میں ہی رہتا تھا اسکو اس دولت خان لودھی سے خلط ملط کرنا اسلیئے غلط ہے کہ:

(۱) دولت خان لودھی گورنر پنجاب کے باپ کا نام تاتار خان تھا۔ وہ لودھیوں کے بائی خیل شاخ سے تھا۔ اسکا باپ تاتار خان بھی گورنر پنجاب رہ چکا تھا (تزک بابری۔ بیورج ص۔3-382) اسکے برعکس اس دولت خان، کے باپ کا نام بدھو تھا۔ اور یہ غالباً سروانی تھا یہی وجہ ہے کہ اسے اعظم ہمایوں سروانی کا ہم خاندان قرار دیا گیا ہے (تاریخ شیر شاہی ص 32-31)

(۲) دولت خان لودھی گورنر پنجاب کی مستقل سکونت (اپنے باپ تاتار خان کے زمانے سے) لاہور میں تھی۔ اگر شیر شاہ کئی برس اسی دولت خان لودھی کی خدمت کرتا رہا تو شیر شاہ کو اتنے عرصے آگرہ میں نہیں بلکہ لاہور میں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن تمام مورخین کی رائے میں مذکورہ دولت خان آگرہ میں رہا اور فرید بھی آگرہ میں اسکی خدمت کرتا رہا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ دولت خان لودھی کے علاوہ کوئی دوسرا امیر تھا جس کا نام بھی دولت خان ہی تھا۔ لیکن وہ لودھی نہ تھا۔ یہ اسکا نائب یا وزیر تھا۔

30۔ اعنی سے مراد ہے باپ کی جانب سے سگا مگر ماں کی جانب سے سوتیلا۔ مصنف کو حسن کے

اعنی بیٹوں" کی جگہ "فرید کے اعنی بھائی لکھنا چاہیئے تھا کیونکہ " اخیانی "(ایک ماں باپ کے)"اعیانی"(ایک باپ مگر الگ ماؤں کے)اور"علاتی"(ایک ماں مگر الگ الگ باپوں کے) کی اصطلاح صرف بہن بھائیوں کے رشتے سے مخصوص ہے۔یہ اصطلاح اولاد کے معنوں میں نہیں آتی۔اگر کسی شخص کی بیوی اپنے پہلے شوہر کے بچے لائی ہے تو وہ اس شخص کی سوتیلی اولاد ہے جس کے لیے لفظ اعنی نہیں بلکہ ربیب(لڑکے کیلیئے)اور ربیبہ (لڑکی کیلیئے)استعمال ہونگے۔(دیکھیئے محمڈن لاء)

31۔یہ اس کنیز سے پیدا ہونے والے دو بیٹوں کے نام ہیں جن کی وضاحت اوپر حاشیہ نمبر 23 میں دیکھیئے۔

32۔یہ اس زمانے کا دستور تھا کہ امراء اور حاکموں کا ایک ایک وکیل بادشاہ کے دربار میں ہر وقت رہتا تھا۔یہاں بھی اس جانب اشارہ ہے(افسانہ شاہان ص35+96)

33۔داروغگی سے مراد یہاں حکومت ہے جو جاگیرداری کے مغلوں میں استعمال ہوئی ہے۔

34۔ یعنی بادشاہ کو سلام کر کے چلا گیا۔

35۔تمام مورخین نے صرف حسن کی وفات کا ذکر کیا ہے۔وجہ بیان نہیں کی۔گھوڑے سے گرنا اسکی موت کا سبب تھا۔یہ بات صرف تواریخ دولت شیر شاہی سے پتہ چلتی ہے۔

36۔یہ اس دور کا رواج تھا کہ کسی کو جاگیر یا عہدہ دینے سے قبل اس سے حلف لیا جاتا تھا کہ پوری وفاداری سے کام کرے گا اور فرائض سے غفلت نہ برتے گا۔

37۔"فوجی خدمت کی شرط"اس جاگیر کا معاوضہ تھی۔یعنی جب بھی ضرورت پڑے بادشاہ اس جاگیردار یا امیر کو طلب کر سکتا ہے جو اپنی فوج کے ساتھ حاضر ہونے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کا پابند ہوگا۔اس بار فرید کو جاگیر اپنے باپ سے نہیں ملی بلکہ براہ راست بادشاہ سے ملی۔اور اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فوج جمع کرے گا۔اس شرط کا جاگیر سے لازم ہونا عیاں کرتا ہے کہ اب فوج بھرتی کرنا شیر شاہ کے فرائض میں شامل ہوگیا تھا۔یہ بھی نئ

معلومات ہے جو صرف اس کتاب میں ملتی ہے۔

دوسری نئی بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مطابق حسن کی جاگیر صرف فرید کو نہیں بلکہ فرید اور نظام دونوں کو دی گئی۔ فرید اکیلا جاگیردار نہ تھا بلکہ دونوں بھائی تھے۔ باقی تمام کتب صرف فرید کا نام لیتی ہیں۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ فرید چونکہ بادشاہ بن گیا لہذا تمام تواریخ میں صرف اسی کا نام درج کیا گیا وگرنہ یہاں نظام بھی فرید کی جدوجہد میں برابر کا شراکت دار تھا اور اس کا دستِ راست تھا۔ چونکہ حسن علی خان انکا تیسرا اہم رکن تھا لہذا وہ سب باتیں بہت وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

38۔ مورخین کی رائے میں اسوقت محمد خان سور جونپور کا حاکم تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ:

> "سلیمان اپنے بھائی فرید کا مقابلہ نہ کرسکا اس نے پرگنہ جونپور کے حاکم محمد خان سور کے پاس پناہ لی ...... حاکم جونپور محمد خان نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بادشاہ (سلطان محمد بادشاہ بہار) سے کہا..... اسی طرح کی باتیں کر کے حاکم جون پور نے بادشاہ کو شیر خان کے خلاف کر دیا ...... سلطان نے محمد سور سے کہا کہ وہ جاگیر کو مناسب طریقے سے بھائیوں میں تقسیم کر دے .... محمد خان سور شیر خان کا مقابلہ نہ کرسکا.... شیر خان اپنے پرگنوں کے علاوہ جونپور اور اسکے گردونواح پر بھی قابض ہو گیا" (فرشتہ II ص 5-464)

یاد رہے یہ اسوقت کی بات ہے کہ جب بہار خان سلطان ابراہیم سے باغی ہو گیا تھا اور سلطان محمد کے نام سے بہار میں حکومت کر رہا تھا۔ اس نے ایک وسیع علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور مختلف پرگنوں پر اپنے حاکم مقرر کئے تھے۔ کوئی عجب نہیں کہ محمد خان سور جو تین ہزار سواروں (افسانہ ص 70) بروایت دیگر پندرہ سو سواروں (تاریخ شیر شاہی ص 34) کا حاکم تھا اسے جونپور کا حاکم سلطان محمد نے مقرر کیا تھا۔

طبقاتِ اکبری میں بھی محمد خان سور کو سلطان محمد کے امرائے کبار میں شامل کیا گیا ہے (II ص 119) شیر شاہ کا خیال تھا کہ اسکی وجہ سے سلطان محمد، محمد خان سور کو ناراض نہیں کرے

گا۔(ااص199 + تاریخ شاہی ص 181)اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ شیر شاہ محض دو یا تین پرگنوں کا جاگیردار تھا جبکہ محمد خان سور جاگیردار نہیں تھا بلکہ اس سے بڑے رتبے پر تھا۔اسطرح سے محمد خان سور کے حاکم جونپور ہونے پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

جناب اقتدار حسین صدیقی نے اعتراض کیا ہے کہ حسن علی خان نے محمد خان سور کو حاکم جونپور لکھا ہے۔مگر یہ اعتراض بے جا ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ جونپور کے حاکم کا نام یہاں پر درج نہیں ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حاکم جونپور اسوقت کون تھا۔حقیقت یہ ہے کہ سلطان ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا تو اس نے جونپور کی حکومت ایک آزاد بادشاہ کے طور پر اپنے بھائی جلال خان کو دی تھی۔مگر پھر اسکو وہاں سے بید خل کر دیا۔یہ واقعہ تخت نشینی سے ڈیڑھ ماہ کے اندر کا ہے یعنی 7 ذی قعد 923ء/ جنوری 1518ء (وفات سکندر لودھی) سے 15 ذی الحج 923ء/مارچ 1518ء یعنی جس دن ابراہیم لودھی نے دوبارہ تخت نشینی کا جشن منایا۔(طبقات ا ص 88-486)۔اسکے بعد جلال خان نے جونپور چھوڑ دیا اور کالپی چلا گیا اور وہیں اپنے نام کا خطبہ پڑھا۔اسوقت اودھ کا حاکم سعید خان سپر مبارک خان لودھی تھا۔وہ لکھنوء چلا گیا (طبقات ص 489) جونپور کے اکثر امراء اور جاگیردار سعید خان و شیخ زادہ محمد فرملی وغیرہ تھے۔(طبقات ص 490)۔لیکن جونپور پر کسی خاص حاکم کا نام نہیں ملتا جو سلطان ابراہیم کے دور میں گزرا ہو۔سلطان سکندر کر دور میں جمال خان قابلِ ذکر گورنر تھا مگر سلطان ابراہیم کے دور میں یہاں کوئی قابلِ ذکر گورنر نہیں گزرا۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اول یہاں مراد ہرگز محمد خان سور نہیں ہے۔کیونکہ اسے کتاب میں محمد خان کے نام کے ساتھ لفظ سور اس بات کی وضاحت ہے کہ محمد خان سوری نسل سے تھا۔لیکن حاکم جونپور کے بارے میں صراحت ہے کہ وہ شہاب الدین غوری کی اولاد سے تھا۔دیکھیئے حاشیہ نمبر 46 ذیل۔

محمد خان سور جو پہلے چوندیہہ کا جاگیردار تھا اس کا ذکر آگے شروع ہو رہا ہے۔دیکھیئے حاشیہ نمبر 48 ۔لگتا ہے کہ جب سلیمان جونپور آیا تو اسوقت حاکم جونپور کوئی اور تھا۔مگر جب بہار خان سلطان

محمد کے نام سے تخت نشین ہوا تو محمد خان سور کو حاکم جونپور بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے لکھا ہے کہ مغلوں کے حملے کے وقت افغانوں کا نفاق اتفاق میں بدل گیا۔ جبکہ حاکم جونپور کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نسلاً افغان نہیں تھا بلکہ شہاب الدین غوری کی نسل سے تھا۔ جو افغانوں کے نزدیک ترکی النسل تھا۔

39۔ بابر اسوقت ہندوستان میں حکمران نہ ہوا تھا بلکہ حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یہ سال 931ء بمطابق 1525ء کی بات ہے۔

40۔ اس سے مراد ہے کہ سلطان ابراہیم فاتح رہا تو حاکم جونپور اس سے سفارش کرے گا۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ اسوقت کا حاکم جونپور سلطان ابراہیم کا مقرر کردہ تھا کہ جس کی بات وہ ضرور مانے گا۔

41۔ سید نصیر خان کا نام نیا ہے۔ یہ ساری معلومات ہمیں تواریخ دولت شیر شاہی سے ملتی ہے۔ نصیر خان 1523ء میں سلطان ابراہیم کے حضور سے بھاگا اور عالم خان کے ساتھ بابر کے پاس گیا۔

42۔ یہ بالکل نئی معلومات ہے۔ اس بارے میں کہیں اور سے رپورٹ نہیں ملتی مگر بادشاہوں سے کچھ بعید بھی نہیں۔

43۔ سلطان ابراہیم کا حقیقی چچا جس کا اصل نام عالم خان تھا۔ اس نے سلطان علاء الدین کا لقب اختیار کیا اور بادشاہت کا دعویٰ کیا اور سلطان ابراہیم سے جنگ بھی کی مگر شکست کھائی۔ یہ بابر کے پاس 929ء / اواخر 1523ء میں گیا تھا۔ (تزک بابری بیوریج ص نمبر, 439-441 444,455)

44۔ اس سے مراد ہے کہ سلطان کے دربار میں رہ کر اس کی جاسوسی کرے۔

45۔ "ذیشان" یعنی صاحب عظمت وشان۔

46۔ یہ بات اس جانب اشارہ ہے کہ جب نصیر خان آیا تو حاکم جونپور افغان نسل سے نہیں تھا بلکہ

شہاب الدین غوری کی نسل سے تھا اور آخر 1523ء میں نصیر خان بابر کے پاس کابل گیا۔ 1524ء میں وہ واپس آیا اور غالباً اسی سال وہ حاکم جونپور کے پاس فرار ہو گیا۔

47۔ "شعبہ قضاعۃ" یعنی قاضی کے فرائض۔ اس سے ظاہر ہے کہ نصیر خان دینی علوم سے آگاہ شخص تھا۔

48۔ یہاں سے ذکر محمد خان سور کا بطور حاکم جونپور شروع ہوتا ہے۔ سلطان محمد حاکم بہار جو جونپور پر بھی قابض تھا اس نے بابر کے مقابلے کیلئے کوئی مدد سلطان ابراہیم کو نہ دی تھی۔ مگر محمد خان سور نے حامی بھر لی حالانکہ اسے سلطان محمد نے حاکم جونپور بنایا تھا۔

49۔ حاکم جونپور محمد خان سور نے سلطان ابراہیم سے مدد فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ اسی دوران فرید کو یہ پیغام دیا۔ یہ پیغام ظاہر ہے کہ 1526ء کے بالکل آغاز میں دیا گیا جبکہ بابر دریائے سندھ عبور کر چکا تھا۔

50۔ یہ جملہ بھی معنی خیز ہے۔ سلطان محمد نے محمد خان سور کو حاکم جونپور مقرر کیا۔ مگر سلطان ابراہیم نے فرید کو خاص پور ٹانڈہ کی جاگیر بھی دی جو سرکار جونپور میں تھی۔ اب یہاں دو بادشاہتوں کے تصادم کی نوعیت ہے۔ فرید، سلطان ابراہیم کے حکم کو برتر کر رہا تھا جو دہلی کا بادشاہ تھا۔ محمد خان سور چونکہ سلطان محمد کی جانب سے ولایت کا حاکم تھا لہذا وہ مداخلت کر رہا تھا جسے فرید ناجائز قرار دے رہا تھا۔

51۔ یعنی خطبہ پڑھا جاتا ہے اور سکہ جاری ہوتا ہے۔

52۔ ترجمہ: یہ محض خیالی باتیں ہیں اور بہت مشکل بات ہے۔

53۔ دریا خان نوہانی سلطان ابراہیم کے امرائے کبار میں تھا اور بہار کا حاکم تھا۔ سلطان ابراہیم سے متنفر ہو کر اعلان بغاوت کیا۔ اسکی وفات بابر کی فتح پانی پت سے قبل ہی ہو گئی تھی۔ اس کا لڑکا بہادر خان تھا جسے بہار خان بھی کہتے ہیں۔ اس نے سلطان محمد کا لقب اختیار کیا اور بہار پر حکمرانی کرنے لگا۔ مگر اسکی حکومت چند سال رہی پھر یہ بھی فوت ہو گیا۔

54۔ سردارِ ہند سے مراد ہے اس کا خطاب "سلطان محمد" جو اختیار کر کے اس نے بادشاہی کا دعویٰ کیا۔ دیکھیئے حاشیہ نمبر 64

55۔ نظام نے ہمیشہ فرید کے نایب کے طور پر کام کیا۔ فرید کے خاندان اور قبیلے کی دیکھ بھال ہمیشہ اس کے پاس رہی۔

56۔ یہاں مصنف اپنی برائی بیان کرتا ہے کہ فرید کو سلطان محمد کے ہاں جو اثر ورسوخ ملا وہ دراصل میرے اثر ورسوخ کا نتیجہ تھا۔

57۔ یعنی مالگذاری کے معاملات میرے سپرد کئے گئے۔

58۔ مصنف کے مطابق فرید کو یہ دو عہدے عارضی طور پر دیئے گئے جو بعد میں مستقل کئے گئے جیسے کہ آگے آتا ہے۔

59۔ یعنی خلعت عطا کی گئی۔

60۔ بمعنی وزیر اعظم یعنی سلطان محمد نے اسے اپنا وزیر بنا دیا۔ یہ عہدہ شہزادہ ہمایوں پسر بابر بادشاہ کے فتح جونپور (جنوری 1927ء) کے بعد شیر خان کو ملا۔ کیونکہ اس عہدے کے بعد فرید سہسرانو گیا پھر محمد خان سور سے اسے شکست ہوئی، پھر وہ جنید برلاس کے گیا اور اس سے مدد لیکر جونپور فتح کیا جو بعد میں محمد خان سور کو واپس کر دیا۔ اسکے بعد ہمایوں نے 1529ء میں جونپور فتح کیا۔

61۔ دیکھیئے فرشتہ جلد دوم ص 464 تاریخ شاہی ص 180-179 + تاریخ شیر شاہی ص 36+

62۔ کام بنانے والا یعنی خدا

63۔ اس نیت کی تصدیق محمد خان سور کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ دیکھیئے فرشتہ جلد دوم ص 464 + تاریخ شاہی ص 180 + افسانہ شاہان ص 70

64۔ دیکھیئے حاشیہ نمبر 54 جہاں اس خطاب کا پہلے ذکر آیا ہے۔ یہاں سلطان محمد کے خطاب کی وضاحت ہے۔ تصدیق کیلئے دیکھیئے واقعات مشتاقی ص 122-121 + طبقات اکبری II

ص117 + تاریخ فرشتہ II ص464

65۔ یعنی فوج بھرتی کرنے میں خلل پیدا ہو گیا۔

66۔ جنید برلاس، بابر بادشاہ کا وست راست اور مختار کل تھا۔ اسے کڑہ مانک پور کا حاکم بنایا گیا تھا۔ طبقات میں ہے کہ جنید برلاس کڑہ مانک پور کا حاکم تھا اور فرید نے اس سے فوجی امداد لیکر محمد خان سور کو شکست دی اور پھر کڑہ میں آ کر جنید برلاس سے ملاقات کی (طبقات II ص120-119) کہ کڑہ مانک پور میں ہی جنید برلاس سے جا کر ملا جہاں اسکی جاگیر تھی فرشتہ کا بھی یہی بیان ہے (II ص465) تاریخ شیر شاہی میں ہے کہ فرید نے پٹنے جا کر سلطان جنید برلاس سے آگرہ میں رابطہ کیا اور پھر آگرہ سے امداد لی۔ (ص39) اس سے لگتا ہے کہ شیر خان آگرہ جا کر جنید برلاس سے ملا نیز تاریخ شیر شاہی میں کہ شیر شاہ نے رابطہ تو جنید برلاس سے کیا اور ملا بھی اسی سے مگر اسے فوجی امداد براہ راست بادشاہ سے ملی (ص39)۔ یہ بات معقول یوں ہے کہ مغل امراء تمام بڑی کاروئیاں بادشاہ کے علم میں لاکر اور اسکی اجازت سے کرتے تھے۔ تاریخ شیر شاہی کے نزدیک فرید آگرہ میں جنید برلاس سے ملا جنید برلاس نے اسے بادشاہ سے ملوایا اور بادشاہ نے فوجی امداد دی (تاریخ شیر شاہی ص39)

شیر شاہ فوج لے کر جونپور پر حملہ کرنے جا رہا تھا جو یقیناً ایک بڑی مہم تھی اور اسکے لیے بادشاہ کی منظوری ضروری تھی۔ بادشاہ بابر کے اپنے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

"شیر خان سور جسے میں نے گذشتہ سال کئی پرگنے عنایت کئے تھے اور اسے اس علاقے میں چھوڑا تھا وہ ان افغانوں سے مل گیا ہے (بابر نامہ بیوریج ص652)"

بابر کا یہ بیان 18 جمادی الثانی 935ء بمطابق 28 فروری 1529ء کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شیر شاہ کی جنید برلاس کے پاس آمد جمادی الثانی 935ء سے ایک سال قبل 934ء بمطابق 1527 اواخر یا 1528ء کے بالکل شروع میں ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ابھی مغلوں کے

ہاتھوں جونپور فتح نہ ہوا تھا۔

67۔سلطان جنید برلاس سپر سلطان جنید برلاس۔دونوں باپ بیٹوں کا نام ایک ہی تھا۔اس نے بابر کی ملازمت کی اوراعلیٰ عہدے پر پہنچ گیا۔جنگ پانی پت میں اہم کردار ادا کیا۔دھولپور، جونپور اور خرید مین رہا۔اسے مقامی حالات کی اطلاعات بھی دیتا رہا۔بابر کی بہن شیر بابو عرف میان شاہی اسکے نکاح میں تھی(بابرنامہ بیورتج

(544,637,668,18,52,111,472,475,53

68۔بابر بادشاہ خود امیر تیمور کی اولاد سے ہونے کا دعویدار تھا۔وہ خود کو مغل کہلوانا پسند نہ کرتا تھا بلکہ تیموری کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔(تزک بابری بیورتج ص 14, 256, 344+)۔اس نے اپنی کتاب میں ایک جگہ چغتائیوں کو مغل اور خود کو ترک کیا ہے(بابرنامہ بیورتج ص158)

69۔اسکی وجہ یہ تھی کہ فرید سلطان جنید برلاس سے ادھار کی فوج لایا تھا جو کام پورا ہونے کے بعد واپس جانی تھی۔اسکے اپنے اعزا و اقربا اس جنگ کی وجہ سے پہاڑوں میں چلے گئے تھے۔جب وہ واپس آئے تب بھی ان کی تعداد اتنی نہ تھی کہ اتنے بڑے علاقے کو سنبھال سکتے۔

70۔یعنی اس نے سہسرام اور خاص پور تانڈہ (لوگرابھی) پر اکتفاء کیا۔

71۔ان حالات کی تصدیق کے لیے دیکھیے فرشتہ II ص465،تاریخ شاہی ص2-181،منتخب التواریخ ص19-218،طبقات II ص120۔

72۔ یعنی شیر خان

73۔یہاں پھر نظام کا کردار سامنے آتا ہے۔

74۔"ہم" سے مراد ہے فرید اور حسن علی خان مصنف کتاب۔جم سے مراد ہے بابر بادشاہ۔یہاں مصنف پھر اپنا کردار بیان کرتا ہے اور اپنی اہمیت منواتا ہے۔

75۔ یعنی آگرہ جو پایہ تخت تھا۔

76۔ خلعت عطا کئے جانے کی بات ہماری نئی معلومات میں شامل ہے۔

77۔ یہ ایک رسم تھی کہ بادشاہ یا کسی امیر کی ملازمت میں جانے سے قبل حلف وفاداری لیا کرتے تھے۔ دیکھیئے حاشیہ نمبر 36

78۔ یعنی شیر شاہ شراب نوشی سے اجتناب کرتا تھا۔ یہ بات اسکے مذہبی ذہن و ماحول وتربیت کے عین مطابق ہے۔

79۔ اگر خدا نے چاہا جو صاحبِ طاقت اور متین ہے۔

80۔ ناصر قلی خان کا نام نیا ہے۔ یہ بابر کا ملازم تھا۔

81۔ مہربان قلی خان کا نام بھی نیا ہے، بابر کے ملازمین میں سے تھے۔

82۔ مصنف پھر اپنا کردار اور اہمیت بیان کرتا ہے کہ بابر کی بات کا اندازہ اسے ہوا تھا نہ کہ شیر خان کو دیگر مصنفین کے نزدیک شیر شاہ اپنی فراست سے جانا گیا تھا کہ بابر کی نیت ٹھیک نہیں ہے (فرشتہ II ص 466، تاریخ شیر شاہی ص 43، تاریخ شاہی ص 182، منتخب التواریخ ص 248)

83۔ دیکھیئے فرشتہ II ص 466، تاریخ شیر شاہی ص 43، تاریخ شاہی ص 182، منتخب التواریخ ص 248، مخزن ص 220۔

84۔ سلطان محمد کی صحیح تاریخ وفات کا علم نہیں۔ البتہ وہ 1528ء میں فوت ہوا۔

85۔ ایضاً

86۔ چونکہ بابر نے مغلوں کے طور طریقے قریب سے دیکھے تھے (فرشتہ II456؛ تاریخ شیر شاہی ص 40؛ تاریخ شاہی ص 2-181؛ مخزن ص 219؛ منتخب التواریخ ص 248) لہذا اب وہیں سے بادشاہی کے رنگ ڈھنگ سیکھے۔

87۔ یہ معلومات بالکل نئی ہے۔ چونکہ شیر شاہ کی ابتدائی سرداری کی ہے لہذا دیگر مورخین نے

ریکارڈ ہی نہیں کی۔ شیر شاہ کے اس کزن کا نام ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ مگر یہ بات قابلِ مقبول ہے کہ اسے بدعنوانی پر قتل کیا گیا کیونکہ شیر شاہ شروع سے بدعنوانی کے خلاف تھا اور اپنے باپ کے دور میں انتظام جاگیر کے دوران بھی عزیزوں پر کرپشن کی وجہ سے سختیاں کر چکا تھا (تاریخ شیر شاہی ص 23-17 نیز اس کتاب کے بالا متن سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔)

88۔ اسوقت منگیر کا حاکم قطب خان تھا جیسا کہ آگے اس کا نام آتا ہے۔

89۔ لور پورہ کی صحیح سمت کا آج تک تعین نہ ہوسکا ہے۔ اس مقام کا نام صرف حسن علی خان نے لیا ہے۔ افسانہ شاہان میں ہے کہ شیر شاہ نے سہار (پٹنہ سے 40 میل دریائے لون کے مغربی کنارے) سے گزر کر ارول (پٹنہ سے 40 میل دریائے لون کے مشرقی کنارے پر) کے پاس دریائے لون کی ریت پر شکست دی اور شیر شاہ فتح کے بعد بشیر پور آ گیا۔ (افسانہ شاہان 87) اسکے علاوہ کسی جگہ اس جنگ کے محل وقوع کی وضاحت نہ ہے۔

90۔ قطب خان حاکم منگیر کے قتل کیلئے دیکھیئے (افسانہ شاہان حکایت نمبر 47؛ واقعات مشتاقی ص 122-123 مخزن ص 221 فرشتہ II ص 466؛ تاریخ شیر شاہی ص 45-44؛ تاریخ شاہی ص 18، طبقات II 122)

91۔ ضمیر خان کے حالات کہیں اور نہیں ملتے۔

92۔ ناصر خان کے حالات بھی کہیں اور نہیں ملتے۔

93۔ "تاڑہ" کے بارے میں مزید معلومات نہیں ملتی

94۔ اسلام شاہ پسر شیر شاہ نے 1545ء سے 1553ء تک حکومت کی ہے۔

95۔ یہ بیان بہت اہم ہے اس سے ظاہر ہے کہ مصنف نے اپنی یادداشتیں ہمایوں کے دوبارہ برسر اقتدار آنے بلکہ اکبر کے استقلالِ حکومت یعنی پانی پت کی دوسری لڑائی کے بعد لکھنا شروع کیں۔ مصنف چونکہ شیر شاہ کا انتہائی قریبی اور قدیم دوست تھا لہٰذا وہ اس وقت

دارالخلافہ چھوڑنے پر مجبور ہوا کہ جب مغلوں دارالخلافہ پر قبضہ کرلیا۔ یہاں دارالخلافہ سے مراد دہلی ہے۔ آگرہ نہیں ہے کیونکہ سوریوں کا دارالخلافہ دہلی تھا اور اکبر کے ابتدائی برسوں میں بھی دہلی ہی دارالخلافہ بنا رہا۔

96۔ بلند آسمان کا طریقہ یہی ہے۔

97۔ سلطان ابراہیم دراصل نصیب شاہ کا امیر تھا اور قطب خان مرحوم حاکم مونگیر کا بیٹا تھا۔

98۔ تفصیل کیلئے دیکھیے فرشتہ II 7-466؛ مخزن ص 222؛ منتخب التواریخ ص 248؛ تاریخ شیر شاہی ص 48

99۔ قلعہ چنار کا حاکم تاج خان تھا۔ اس کا لڑکا رستم نامی تھا جس نے باپ کو قتل کردیا اور خود چنار کا حاکم بن بیٹھا۔ اس ساری کہانی تصدیق کیلئے دیکھیے فرشتہ II ص 467 ؛ تاریخ شیر شاہی ص 58؛ مخزن ص 223-222 البتہ یہ معلومات نئی ہے کہ رستم، شیر خان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

100۔ یعنی شیر خان نے رستم کو قتل کردیا۔

101۔ تاریخ شاہی میں اس کا نام ملکہ لاڈ درج ہے (ص 57)

102۔ سلطان محمود لودی پسر سلطان سکندر لودھی نے ابراہیم لودھی کے بعد بادشاہت کا دعویٰ کیا مگر صرف بہار کے علاقے پر کچھ عرصہ حکمرانی کی پھر بنگال فرار ہوگیا پھر پٹنہ آگیا اور یہیں عالم جلاوطنی میں 949ء/1542ء میں فوت ہوگیا۔

103۔ اس کتاب کے جو اوراق بچ گئے ہیں ان میں وہ باب شامل نہیں ہے جس کا یہ حوالہ ہے۔ " لکھا دیا ہے" سے مراد یہ ہے کہ یہ تفصیل باب اول میں گذر گئی ہے جس میں ہندوستان کے ہمایوں تک کے تمام مسلمان بادشاہوں کے حالات جمع ہیں۔

104۔ دیکھیے فرشتہ II ص 467؛ تاریخ شاہی ص 188-186؛ طبقات II ص 125-124؛ افسانہ شاہان ص 84

105۔ یعنی آگرہ جو بابر اور ہمایوں کا پایہ تخت تھا۔

106۔ جس شخص نے رشبروک کو یہ فارسی صفحات فروخت کئے اس نے صرف یہ ثابت کرنے کی غرض سے کہ میں پوری کتاب فروخت کر رہا ہوں (نہ کہ ادھوری) تمت بالخیر کے الفاظ جمع کر دیئے ہیں۔

107۔ یہ تاریخ بھی جعلی ہے " تمت بالخیر مرقوم 5 ربیع الاول 955ء حسن علی خان غفر اللہ کے الفاظ کتاب کے آخر میں آنے چاہیئے تھے نہ کہ باب کے آخر میں یہ تاریخ اسلیئے بھی جعلی ہے کہ مصنف نے باب اکبر کی تخت نشینی کے بعد لکھا جو 963ء میں ہوئی۔ دیکھیئے جاشیہ نمبر 95۔

108۔ کتاب کے اگلے باب (باب ششم) کا آغاز یہیں اس عنوان سے ہوتا ہے۔

109۔ آگرہ سکندر لودھی نے 911ء میں بسایا تھا۔ آگرہ سے قبل دہلی ہندوستان کا پایہ تخت تھا۔ سکندر لودھی نے آگرہ بسایا شیر شاہ کے عہد تک ہی پایہ تخت رہا۔ پھر شیر شاہ نے اسے دہلی منتقل کر دیا۔

110۔ دریائے جمنا ہندوستان کے مشہور دریاؤں میں سے ایک ہے۔ یہ کوہ ہمالیہ سے نکلتا ہے اور اعلی آباد کے مقام پر در گنگا میں مل جاتا ہے۔ دہلی اور آگرہ دونوں دریائے جمنا کے کنارے آباد ہیں۔

110-A۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف گذشتہ صفحات (جواب باقی نہ رہے ہیں) میں دارالحکومت کی آگرہ سے دہلی منتقلی کی بات کر رہا تھا۔

111۔ دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص 145 او 133-132؛ طبقات II ص 134

112۔ نصیر خان کے واقعہ کے حوالے سے یہ معلومات کہیں اور نہیں ملتی۔

113۔ یہاں متن میں جگہ خالی ہے۔

114۔ اس کا اشارہ تاریخ شیر شاہی میں بھی ہے۔ دیکھیئے ص 145-144 گو کہ تفصیل درج نہ

ہے۔

115۔ شاہد خان لودھی کا نام اور کہیں نہیں ملتا۔ یہ فرمان ایک نئی معلومات ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شیر شاہ پہلا بادشاہ تھا کہ جس نے ہندوؤں کی شکایت پر ہندو راجاؤں سے جنگ کی (افسانہ شاہان ص 156) اور اپنے سکہ جات پر دیوناگری بھی تحریر کرائی اور وہ ہندوؤں کا بہت خیال رکھتا تھا (تاریخ شیر شاہی ص 140) اجین کے ایک راجکمار سے اسکی بڑی دوستی بھی تھی جس نے اسکی سورج گڑھ کی جنگ میں بھی مدد کی تھی (دیکھیئے اس کتاب کے آخر میں اجین کی ورتہ)۔

116۔ دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص 141-140 منتخب التواریخ ص250 ؛ طبقات II ص 134-133 ؛ مخزن ص 250-249 ؛ تاریخ شاہی ص228-227 ؛ افسانہ شاہان ص149 ؛ واقعات مشتاقی ص125 فرشتہ II ص473۔

116-A۔ تفصیل کے لیے دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص نیز دیکھیئے فرمان نمبر 111 ؛140-138 طبقات II ص134 نیز مخزن ص252-251

116-B۔ میر سید رفیع الدین محدث کے حالات کیلئے دیکھیئے منتخب التواریخ ص253۔

117۔ سلطان روم سے مراد ہے سلطنت عثمانیہ کا خلیفہ جو شیر شاہ کے دور میں سلیمان اول تھا جس نے 1520ء سے 1566ء تک حکومت کی۔ اسکی شاہ ایران طہماسپ سے دشمنی تھی جب ہمایوں اور شیر شاہ میں کشمکش چل رہی تھی تو سلیمان اول نے 1534ء میں طہماسپ پر حملہ کیا جو ترکوں کے دشمن چارلس V سے تعلقات بڑھا کر اسے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ 1538ء میں سلیمان اول کی فوج نے بجیدہ قلزم پر قبضہ کر کے ہندوستان کے مغربی سمندری ساحل تک رسائی حاصل کی۔ شیر شاہ کو تاجروں اور حاجیوں سے ان حالات کی خبر رہتی تھی۔ لہذا اس نے سلطان روم سے مل کر طہماسپ کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا تا کہ ہمایوں کی پناہ گاہ ختم ہو جائے۔ شیر شاہ کی وفات کے 3 برس بعد

1548 میں سلیمان اول نے صفوی سلطنت پر حملہ کر کے عراق اس سے چھین لیا (ص
(An Encyclopedia of World History:422-3

118۔قزلباش ایک قوم کا نام ہے جو ایرانی النسل ہے۔ ہندوستان اور وسط ایشیا سے حج کے راستے میں ان کے کچھ لوگ لوٹ مار کا کام کرتے تھے۔ یہ لوگ ایرانی / فارسی تھے لہذا نسلاً اور مذہباً بھی افغانوں سے ان کا اختلاف تھا کیونکہ افغانی سب حنفی سنی تھے اور قزلباش شیعہ تھے۔

119۔طہماسپ صفوی ایران کا مشہور بادشاہ جس نے 1524ء سے 1576ء تک ایران پر حکومت کی تھی۔ یہ شیعہ تھا اور ہمایوں بھی اس سے سیاسی مدد کے حصول کیلئے کچھ عرصے کو شیعہ ہو گیا تھا۔

120۔شیر شاہ نے ہمایوں کو گرفتار کرنے کی بڑی کوشش کی تھی۔ ان کوششوں میں پہلے خواص خان کا ہمایوں کے تعاقب میں بھیجا جانا شامل ہے (افسانہ شاہان ص 138) پھر فرمان سب لوگوں کو (تاریخ شیر شاہی ص 95-94 تاریخ شاہی ص 206+) پھر پیغام مرزا کامران تاریخ کو دیا (افسانہ شاہان ص 146) کہ ہمایوں کو حوالے کر دے پھر شیر شاہ کے سلطان روم سے رابطے اور اس کو خط لکھنے کی بات ملا بدایونی نے بھی کی ہے (منتخب التواریخ ص 253)
اصل بات یہ کے بابر کی اولاد میں صرف ہمایوں تھا جو بادشاہت کے قابل تھا۔ اسلام شاہ کی وفات کے بعد اس نے یہ کام کر کے بھی دکھایا کہ وہ کھوئی ہوئی سلطنت واپس لے سکتا ہے۔ اس بات کا اندازہ شیر شاہ جیسے فطین شخص کو بھی تھا یہی وجہ ہے کہ وہ ہمایوں کو پکڑنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہمایوں کے بعد مغلوں میں ایسی کوئی شخصیت نہ رہے گی جس پر سارے مغل متفق ہو سکیں۔

121۔امیر عاصم کے حوالے جو معلومات اس کتاب میں ہے اور کہیں سے نہیں ملتی۔

122۔یہاں مراد ہے کہ جو لوگ ہمایوں کے ساتھ وفادار تھے۔

123۔قزلباش قوم کے اکثر لوگ بابر کے ساتھ تھے اور اس کے ساتھ ہندوستان آ گئے تھے (تزک

بابری بیورتج ص 31-630) یہ لوگ ہمایوں سے وفادار رہے۔

124۔ناک اور کان کاٹنے کی ابتداء ہمایوں نے کی تھی (افسانہ شاہان ص 142) شیر شاہ نے بھی یہ کام انتقاماً کیا (افسانہ شاہان ص 142)

125۔انتقام کا جذبہ شیر شاہ کے اندر شروع سے تھا۔اس نے جب محمد خان سور پر حملہ کیا تھا تو اپنے بھائیوں سے انتقام لینے کیلیئے (تاریخ شاہی ص 181 ،طبقات II ص 120 ،فرشتہ II ص 465) نیز دیکھیئے حاشیہ نمبر 124 بالا

126۔اسکی تصدیق بابر نامہ سے بھی ہوتی ہے۔دیکھیئے بابر نامہ بیورتج ص 480 جہاں بابر کہتا ہے کہ اسکی از بکو سے قدیم دشمنی چلی آرہی ہے۔

127۔یہاں جگہ اصل متن میں بھی خالی ہے۔

128۔گالیاں دینا ہر دور میں اور ہر معاشرے میں رواج رہا ہے۔افغان چونکہ قبائلی لوگ تھے لہذا وہ گالیاں کا آزادانہ استعمال کرتے تھے۔افسانہ شاہان میں اسطرح کی بہت سی گالیاں درج ہیں (افسانہ شاہان اردو ترجمہ از ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ۔تعارف)۔

129۔یہ فرمان براہ راست قزلباشوں کے نام جاری ہوا اور قزلباشوں کی مدد کرنے والوں کو بھی اسمیں انتباہ کیا گیا ہے۔

130۔جیل خانوں کے حوالے سے معلومات بالکل نئی ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں ملتی ہے۔

131۔کانگڑہ شمالی ہند میں (صوبہ اتر پردیش۔جبکہ نیا صوبہ اترا کھنڈ میں) ہری دوار کے پاس ایک قلعہ نما شہر ہے۔1399 میں اس علاقے پر تیمور نے قبضہ کرلیا تھا مگر یہ پھر ہندو راجوں کے پاس چلا گیا۔

132۔محتسب ایک عہدے کا نام ہے۔محتسب ناپ تول پیمائش لین دین اور اسی طرح کے دیگر امور کی نگرانی کرتا ہے۔بعض اوقات قاضی یعنی جج کے فرائض بھی سرانجام دیتا ہے۔یہ عہدہ اسلامی نظام عدل میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

133۔اس سے مراد یہ ہے کہ شیر شاہ بعض معاملات میں کسی مفتی اور قاضی کے احکامات کی تشریحات کی بھی پروانہ کرتا تھا۔

134۔ احمد خان تنگی۔احمد خان کا ذکر تاریخ شاہی کے نسخہ "ج" میں ہے(تاریخ شاہی فارسی ص 172)اسے تنگی غالباً اسلیئے کہتے تھے کہ یہ علاقہ تنگی کوہستان سہسرام بہار کا ساکن ہوگا۔تنگی کوہستان کیلیئے دیکھیئے تاریخ شاہی (فارسی) ص179 جہاں حاشیہ نمبر2 پر درج ہے کہ تنگی کوہستان نامی علاقہ موجود تھا جس کا ذکر تاریخ شاہی کے نسخہ ا اور ب میں ہے۔

135۔اس سے ظاہر کہ شیر شاہ کے دور میں برہمنوں کو خاص مقام حاصل تھا اور نظام اراضی میں انکو مہارت تھی۔

136۔تصدیق کے لیے دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص 145 جہاں پر تفصیل بھی ہے۔نیز واقعات مشتاقی ص131-132

137۔ مذہب کے صدر سے مراد ہے مفتی یا پھر شعبہ مذہب

138۔اس سے مراد ہے پنچایت یعنی پانچ لوگوں کا اختیارِ فیصلہ

139۔یہ بات بالکل نئی ہے جو ہمارے علم میں آئی۔ورنہ آج تک کسی اسلامی ملک میں شادی کے اندراج کے رجسٹر کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا۔علاوہ اسکے کے نکاح خواں نکاح نامے کی نقول رکھتے تھے مگر یہ بھی انیسویں صدی میں شروع ہوا۔

140۔ہندوؤں کے مذہبی تعلیم کے حوالے سے حوصلہ افزائی بھی بالکل نئی اطلاع ہے۔بہر حال تاریخ شیر شاہی یہ بتاتی ہے کہ شیر شاہ کے دور میں طلبا اور اساتذہ کیلیئے بہت سہولیات ہیں (ص147)

141۔صدر بازار سے مراد آج کے دور کا سیکرٹریٹ ہے جس میں تمام شعبہ جات کے دفاتر ہوتے تھے۔ہمارے لیے یہ معلومات بھی نئی ہے کہ صدر بازار کے نظام کا آغاز شیر شاہ کے دور سے ہوا۔

142۔دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص137-138

143۔تفصیل کیلئے دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص140-141؛منتخب التواریخ ص250؛طبقات II ص133-134 افسانہ شاہان ص 149 ؛واقعات مشتاقی ص 125 ؛مخزن ص249-50؛تاریخ شاہی ص227-228۔

144۔دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص142-143۔

145۔ملا ضمیر سندھی کو آگے ضمیر خان سندھی (دیکھیئے حاشیہ نمبر 154)اور پھر آگے ضمیر احمد خان لکھا ہے۔

146۔اس سے ظاہر ہے کہ شیر شاہ اسلام کی کسی بھی غلط تشریح کے خلاف تھا جو اسلام کی اصل روح خصوصاً وحدانیت اور رسالت کے خلاف ہو۔

147۔یہاں مصنف پھر اپنے مقام اور مرتبہ کو بڑھا کر بیان کرتا ہے چونکہ وہ خود مصنف ہے لہذا اسکے لیئے یہ فرمان بھی بہت اہم ہے۔شیر شاہ نے 6 سال سے زائد حکومت کی تھی جبکہ 15 سال سرداری کی۔6 سال میں اس نے ہزاروں فرمان جاری کیئے ہونگے مگر مصنف نے صرف چند کا انتخاب کیا جن میں سے اب صرف زیرِ بحث سترہ فرمان موجود ہیں۔ مصنف کے نام فرمان اگرچہ قومی حیثیت کا حامل نہ ہے مگر مصنف اسے اپنا بہت بڑا اعزاز خیال کرتا ہے۔

148۔سیکرہ سے مراد سیکری ہے جہاں اب فتح پور سیکری آباد ہے۔

149۔مغلیہ دور میں صدر الصدور اس بڑے عہدے دار کو کہتے تھے کہ جو ہر طرح کے مذہبی خیرات وصدقات وغیرہ کا کام نمٹاتا تھا۔اس کا دفتر پایہ تخت میں ہوتا ہے اور دیگر تمام علاقوں کے صدور اسکے ماتحت ہوتے ہیں(A Dic:of Indian History by Sachchidanawda p.742)

150۔یہاں اصل متن میں خلا ہے۔مصنف نے چونکہ یہ کتاب شیر شاہ کی وفات کے تقریباً 13

سال کے بعد تحریر کی اسلیئے شاید تاریخ اور ماہ بھول گیا اور یوں اس نے صرف سال درج کیا۔

151۔ شیر شاہ کی مہر پر یا تو شاہ عالم جمع ہونا چاہیئے تھا یعنی جس نام سے اسے مخاطب کیا جاتا تھا (افسانہ شاہان ص 147) یا پھر حضرت اعلیٰ یعنی جو خطاب اس نے خود کے لیے اختیار کیا تھا (تاریخ شیر شاہی ص 92)۔ یہاں مصنف نے مہر کے الفاظ نقل نہیں کئے بلکہ صرف یہ بیان کیا ہے کہ اس تحریر کے آخر میں سلطان شیر شاہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔

شیر شاہ کے سکوں میں لفظ سلطان اسکے نام کے بعد استعمال ہوا ہے یعنی "شیر شاہ سلطان" Chronieles of the Pathan kings of Delhi p. 394-402 مگر 1948ء/1541ء کے ایک سکے میں لفظ "سلطان" پہلے بھی استعمال ہوا ہے۔

152۔ اس حوالے سے کوئی وضاحت کسی دیگر کتاب میں نہیں ملتی۔

153۔ اصل متن میں جگہ خالی ہے۔

154۔ ضمیر خان سندھی کا ذکر اوپر ملا ضمیر سندھی کے نام سے آیا ہے۔ اس کا نام اور تذکرہ کہیں اور نہیں ملتا۔ یہ معلومات بھی بالکل نئی ہے۔

155۔ ہمایوں نے اسے جاسوس کے طور پر ہندوستان میں کام کرنے کی مہلت دی تھی۔

156۔ امیر ناصر تغلق کا ذکر کہیں ہو نہیں ملتا۔ وہ بڑے امراء میں شامل نہ تھا بلکہ معمولی ملازم تھا۔

157۔ ان امراء کے نام نہیں ملتے۔ خلجی اور تغلق نسلاً ترک تھے اور ہندوستان کے حکمران رہ چکے تھے۔ افغانوں نے ترکوں سے حکومت چھینی تھی۔ بابر بھی خود کو تیموری ترک کہتا تھا۔ (تزک بابری بیوریج ص 79-376-9-380-320) اس وجہ سے یہ ترک ہمایوں کے ہم نوا تھے۔

158۔ اس سفارت اور دعوت کے حوالے سے بھی ساری معلومات ہمارے لیئے نئی ہے۔

159۔ اس سپاہی کا نام درج نہیں ہے۔ بہر حال یہ سازش بغاوت بننے سے قبل ہی پکڑی گئی۔

160۔شیخ الاسلام عبداللہ سلطان پوری قوم کے انصار تھے۔عربی زبان،علوم فقہ،تاریخ اور دیگر علوم میں مہارت تھی اور بڑی اچھی کتب تحریر کیں۔ہمایوں بادشاہ نے ان کو مخدوم الملک کا خطاب اور شیخ الاسلامی کا عہدہ دیا۔متعصب سنی تھے۔اور کئی شیعہ لوگوں کو قتل کروایا۔ملا عبدالقادر بدایونی کی ان سے ملاقات تھی۔اکبر بادشاہ کے دور میں ان کا بہت اثر ورسوخ تھا۔990ء میں گجرات میں انتقال کیا (منتخب التواریخ ص 602-600) عبداللہ سلطان پوری کی طرح شیر شاہ بھی متعصب سنی تھا۔مگر عبداللہ سے اسے سیاسی اختلاف تھا۔

161۔ابتدائی مغل بادشاہوں کے مقابلے میں شیر شاہ زیادہ ترقی یافتہ،آزاد خیال سیکولر مزاج مگر دین کا سخت پابند تھا اور یہی وجہ ہے کہ اسکے ساتھ صوفیاء کرام زیادہ تھے جبکہ مولوی حضرات کم تھے۔اسی لیے وہ مولویوں سے شاکی تھا۔شیر شاہ کے یہ الفاظ ہمارے لیئے نئی معلومات ہیں۔

162۔ اس جگہ پر باب ششم کا متن ختم ہو جاتا ہے۔

تواریخ دولت شیرشاہی

(فارسی متن)

نورالدین جہانگیر

کتب خانہ خاص دارالخلافہ فتحپور

تواریخ

دولت شیر شاہی

رقم زدہ حسن علی خان امیر آسمان شکوہ وابستہ دولت سلطان شیر شاہ

حسن علی خان آسمان شکوہ نور اللہ مرقدہ

بندہ ابوالفضل ازین نامہ در تحریر

آئین استفادہ گرفتم حسن علی خان

در سنہ ۹۵۷ھ بہ عالم جاودانی رحلت کرد

یکے از متبصران عصر و ممتازان زمان بود

دوم ربیع الاول سنہ ۹۵۹ قدسی

خلاصۃ الابواب والمقالات

دیباچہ: تذکرہ مصنف و تواریخ ہند از آغاز سلطنت اسلام تا تسلط بابر و حکومت نصیر الدین ہمایوں

باب اوّل۔ تذکرہ اسلاف و ولادت فرید

باب دوم۔ تذکرہ حالات ابتدائی جنگ با ہمایوں و فتح شیر خاں

باب سوم۔ تخت نشینی شیر خاں بہ لقب سلطان شیر شاہ

باب چہارم۔ فتوحات شہادت سلطان شیر شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

باب پنجم۔ آئین حکومت شیر شاہی۔

باب ششم۔ فرائین دولت شیر شاہی

باب ہفتم۔ احوال دربار و رعایا و احوال سلطان شیر شاہ

حصہ دوم

اجینیہ کی ورتہ

(تصنیف: 1538ء تدوین: 1663ء)

تاریخ راجگان بھوجپور اور شیر شاہ سوری سے انکے تعلقات

از

بودھ راج بیکانیری

ترجمہ و تحقیق و حواشی

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

اظہارِ تشکر

عہد وسطی کے اس اہم ہندی مآخذ کا جناب بی پی امبستھا (B.P Ambastha) نے ہندی سے انگریزی ترجمہ کر کے اپنی کتاب Non-Persion Sources on Indian Medieval History میں شائع کیا تھا۔ میں نے اس انگریزی متن کا اردو میں ترجمہ کیا ہے☆۔ اس حوالے سے میں جناب بی پی امبستھا صاحب کا شکرگزار ہوں جو اس قیمتی مآخذ کا انگریزی میں ترجمہ کر کے موجودہ اردو ترجمے کا ذریعہ بنے ہیں۔

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

☆ آخر میں اردو حواشی میرے اپنے تیار کردہ ہیں۔ جہاں امبستھا صاحب سے استفادہ کی گیا ہے وہاں ان کا حوالہ دے دیا ہے۔

تعارف

"اجینیہ کی ورتہ" کچھ دیگر دستاویزات کے ساتھ جناب وی ایس شری واستو نے دریافت کیں اور 29 جون 1956ء کو اُن کی نقول خدا بخش اورینٹل پبلک لائبیریری پٹنہ کو سپرد کیں۔

"اجینیہ کی ورتہ" کا پہلی بار تعارف جناب بی پی امبستھا نے کروایا جب انہوں نے اسے انگریزی میں ترجمہ کرکے اور نوٹس بنا کر شائع کیا۔ یہ ایک بہت ہی اہم تاریخی دستاویز ہے اس کا مصنف بودھ راج ہے۔

مصنف اور کتاب:

بودھ راج کا تعلق راجپوتانہ کی مشہور ریاست بیکانیر کے مقام پگل سے تھا۔ یہاں پر مار راجپوتوں کی شاخ سنکلا کی حکومت تھی۔ بودھ راج نے "پرمار" راجپوتوں کی 19 ریاستوں (ابو، چندراوتی، دیتہ، سنترام، ریواڑ، میواڑ، مولی، بجولیا، سری نگر اور بھوج پور وغیرہ) کی تاریخ لکھنے کیلئے قدم اُٹھایا اور 37 سال تک اس غرض کو پوری کرنے کیلئے مختلف علاقوں میں جاتا رہا اور مواد اکھٹا کرتا رہا۔ اس غرض سے اس نے 1719 سموت بمطابق 1663ء میں بہار کے ضلع شاہ آباد میں واقع جگدیش پور کا دورہ بھی کیا۔ وہاں سے مصنف کو جو مواد ملا وہ اس کتاب کی شکل میں پیش ہے۔ یہ حالات دلپت کی تخت نشینی پر ختم ہوجاتے ہیں۔ جو 1594 سموت میں ہوئی۔ (بی پی امبستھا ص i-iv)

مذکورہ بالا معلومات ہمیں بی پی امبستھا کے مطبوعہ ایڈیشن سے ملی ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں سے کوئی معلومات بودھ راج کے بارے میں نہیں ملتی۔ البتہ اجین کی ایک تاریخ فارسی میں "تاریخ اجینیہ" کے نام سے ونایک پرشاد نے تحریر کی تھی جو 19 ویں صدی کے آخر میں مہاراجہ

رادھا پرشاد سنگھ کو دور میں لکھی گئی تھی جو نول کشور لکھنوی شائع ہوئی۔اس کے بیانات اکثر اس کتاب سے ملتے جلتے ہیں۔

زمانہ تصنیف و تدوین

بودھ راج نے 1719ء سموت بمطابق 1663ء میں جگدیش پور کا دورہ کیا۔اور بھوجپور کے یہ حالات لکھے اسوقت وہاں پر پربل سنگھ تخت نشین تھا جس نے 1700 سموت/1644ء سے 1720 سموت/1664ء تک حکومت کی۔اگر یہ کتاب بودھ راج نے وہاں کے زبانی حالات اور دستاویزات یا کتب کو دیکھ کر تحریر کی ہے تو اسے پربل سنگھ تک کہ تمام حالات جمع کرنے چاہیئے تھے مگر مصنف نے صرف گج پتی کی معزولی پر اکتفا کیا ہے۔اسکے بعد کے حالات درج نہ کئے ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ مصنف نے یہ حالات ایک ایسے کتابچے سے تدوین کر کے نقل کئے ہیں جو 1594 سموت/1538ء پر ختم ہو جاتے ہیں۔یوں یہ تصنیف بودھ راج نے نقل تو 1663ء میں کی ہے مگر جس کتاب سے نقل کی ہے وہ 1538ء میں تحریر ہوئی اور اسکا اصل مصنف غالباً 1538ء کے بعد جلد ہی فوت ہو گیا لہذا وہ آگے کے حالات درج نہ کرسکا۔یوں یہ کتاب ایک ایسے کتابچہ کا چربہ ہے جو شیر شاہ سوری کا ہم عصر ماخذ ہے اور اس حوالے سے یہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔اس بات کی ایک اور دلیل ہمارے پاس ہے کہ جب 1539ء میں شیر شاہ بادشاہ بنا تو اسکے بعد سے شیر شاہ کو "شیر شاہ" لکھا جانے لگا۔اگر یہ کتاب 1663ء کی اصل تصنیف ہوتی تو اس میں شیر شاہ لفظ کا استعمال ہوتا مگر اس میں ہر جگہ صرف "شیر خان" لفظ استعمال ہوا ہے۔

پھر نہ تو تخت نشینی کے حالات ہیں اور نہ ہی شیر شاہ کے حمایتی گج پتی و بیری شال کی اولادوں کے حالات درج ہیں۔غرض کہ 1538ء کے بعد کے تمام حالات اسمیں غائب ہیں۔یہ دونوں قوی دلائل ہیں اس بات کے کہ بودھ راج نے یہ براہ راست شیر شاہ کے ہم عصر ماخذ سے نقل کئے ہیں۔

راجگان بھوجپور کا عرصہ حکومت

حکمران/راجہ	مدت حکومت بمطابق سن سموت	سن عیسوی
ہرراج	1445 تا 1450	1389 تا 1394
گج راج	1450 تا 1470	1394 تا 1414
جگ دیو	1470 تا 1480	1414 تا 1424
سنگرام سنگھ	1480 تا 1510	1424 تا 1554
ایشوری سنگھ	1510 تا 1513	1454 تا 1457
اونکر دیو	1513 تا 1545	1457 تا 1489
درلبھ دیو	1545 تا 1575	1489 تا 1519
بدل سنگھ (حمایتی شیرشاہ)	1575	1519
شیورام	1575 تا 1590	1519 تا 1533
راجہ گج پتی (حمایتی شیرشاہ)	1590 تا 1633	1533 تا 1576
رام سنگھ	1633 تا 1640	1576 تا 1583
سنگرام سنگھ	1640 تا 1653	1583 تا 1595
دلپت	1653 تا 1657	1595 تا 1650
مکٹ منی	1657 تا 1663	1600 تا 1606
مدھکر	1663 تا 1667	1606 تا 1610

نام		
نارائن مل پسر مل دھر	1667 تا 1680	1610 تا 1623
پرتاب مل	1680 تا 1694	1623 تا 1637
امر سنگھ	1694 تا 1700	1637 تا 1643
پربل سنگھ	1700 تا 1720	1643 تا 1663

اہمیت

جب ہم اس کتاب کے مندرجات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک غیر مسلم کی تصنیف ہے مگر مصنف نے مسلمانوں کے خلاف کسی تعصب کا اظہار نہ کیا ہے اور صرف وقائع نگاری کی ہے۔دوسری یہ کہ مصنف افغانوں کے راجپوتوں سے اچھے تعلقات کی نشاندہی کرتا ہے۔یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ مصنف نے شیر شاہ اور اسکے والد کی ہندوؤں کے ساتھ رواداری اور اچھے تعلقات کی وضاحت کی ہے۔اسکے مطابق اجینی راجپوتوں نے ہر مسلم گروہ کے خلاف مزاحمت کی مگر حسن سور اور شیر شاہ سوری سے انکے تعلقات اچھے رہے۔آگے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں اور راجپوتوں میں اتحاد یا نفاق کی بنیاد مذہب نہ تھا بلکہ سیاست تھی۔جب بدل سنگھ شیر شاہ سے مل گیا تو اس کا سوتیلا بھتیجا ہمایوں سے جاملا۔اسکے بعد جو بھی گروہ برسر اقتدار آیا اس نے اپنے حمایتی اجینی راجپوتوں کو بھوجپور کی گدی دی۔

ایک غیر مسلم کے قلم سے افغانوں کی رواداری اور حسن سلوک کا بیان افغانون کے بارے میں بہت سے تاریخی مغالطوں کو دور کرتا ہے۔افغانوں کے بارے میں یہ کتاب بہت اہمیت کا حامل ہے۔

نئی معلومات:

بہت سی ایسی نئی معلومات ہے جو اس کتاب سے سامنے آتی ہے اور وہ معلومات اس کتاب کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کر دیتی ہے۔مثلاً

1۔راجپوتوں کی گوشت خوری کے بارے میں معلومات جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے تمام طبقے گوشت سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

2۔ ہندو راجپوتوں کا ایک افغان مسلمان (شیر شاہ) کے ساتھ اکھٹے کھانا کھانا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں چھوت چھات کی بندشیں اتنی نہ تھیں جتنی کے آج کے دور میں بتائی جاتی ہیں۔

3۔ بہار پر مسلمانوں کے قبضے کے دوران اجینی راجپوتوں کی مزاحمتی تحریک کی معلومات ملتی ہیں۔

4۔ افغانوں کے راجپوتوں سے اچھے تعلقات خصوصاً حسن سور کی مصالحتانہ پالیسی کا ذکر ہے جو کہیں اور نہیں ملتا۔

5۔ افغان بادشاہ شیر شاہ سوری کا اپنی جاگیر کے علاوہ آس پاس کے علاقوں پر رعب و دبدبہ

6۔ شیر شاہ کے اپنے باپ سے ناراضگی کے واقعات کی تاریخ۔ اس چیز سے شیر شاہ کے کیریئر کی تاریخ کے تعین میں بہت سہولت ہوتی ہے۔

7۔ شیر شاہ کی اجینی راجپوتوں کی امداد کی معلومات۔

8۔ سورج گڑھ کی لڑائی کی تفصیل ہمیں اس کتاب سے ملتی ہے۔ اس جنگ کی اہمیت یہ ہے کہ بنگالیوں کی جانب سے بہار پر قبضے کی کوشش میں یہ آخری لڑائی تھی۔ اسکے بعد شیر شاہ نے بنگال پر چڑھائی کی تھی۔ اس جنگ کے حالات طبقاتِ اکبری، تاریخ فرشتہ، افسانہ شاہان، تواریخ دولت شیر شاہی اور مخزن میں مختصر شکل میں ہیں۔ صرف تاریخ شاہی میں اس کی تفصیل ہے۔ مگر "اجینیہ کی ورتہ" میں اسکی پوری تفصیل موجود ہے جو تاریخ شاہی کے بیان سے بہت مطابقت رکھتی ہے۔

9۔ سورج گڑھ کی لڑائی میں ابراہیم خان کا راجہ گج پتی کے ہاتھوں قتل بھی نئی معلومات میں شامل ہے۔ یوں یہ کتاب ہندوستان کی تاریخ کے علاوہ افغان تاریخ میں بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔

"اجینیہ کی ورتہ" میں جو بھی معلومات ہیں اسکی دیگر فارسی مآخذات سے تصدیق ہوتی ہے۔ جن میں تواریخ دولت شیر شاہی، تاریخ شیر شاہی، تاریخ شاہی، مخزن افغانی، افسانہ

شاہان، واقعات مشتاقی، تذکرۃ واقعات وغیرہ شامل ہیں۔ اس حوالے سے اسکے متن پر حواشی بنا کر متن کی معلومات کا دیگر مآخذات سے موازنہ کیا گیا۔ یہ سارے حواشی میرے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ جہاں بی پی امبستھا صاحب کی انگریزی حواشی سے استفادہ کیا گیا ہے وہاں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

لاہور: 01-11-2010

شجرہ نسب راجگان وراجکماران اجین

☆: تارے کے نشان والے راجگان ہیں۔
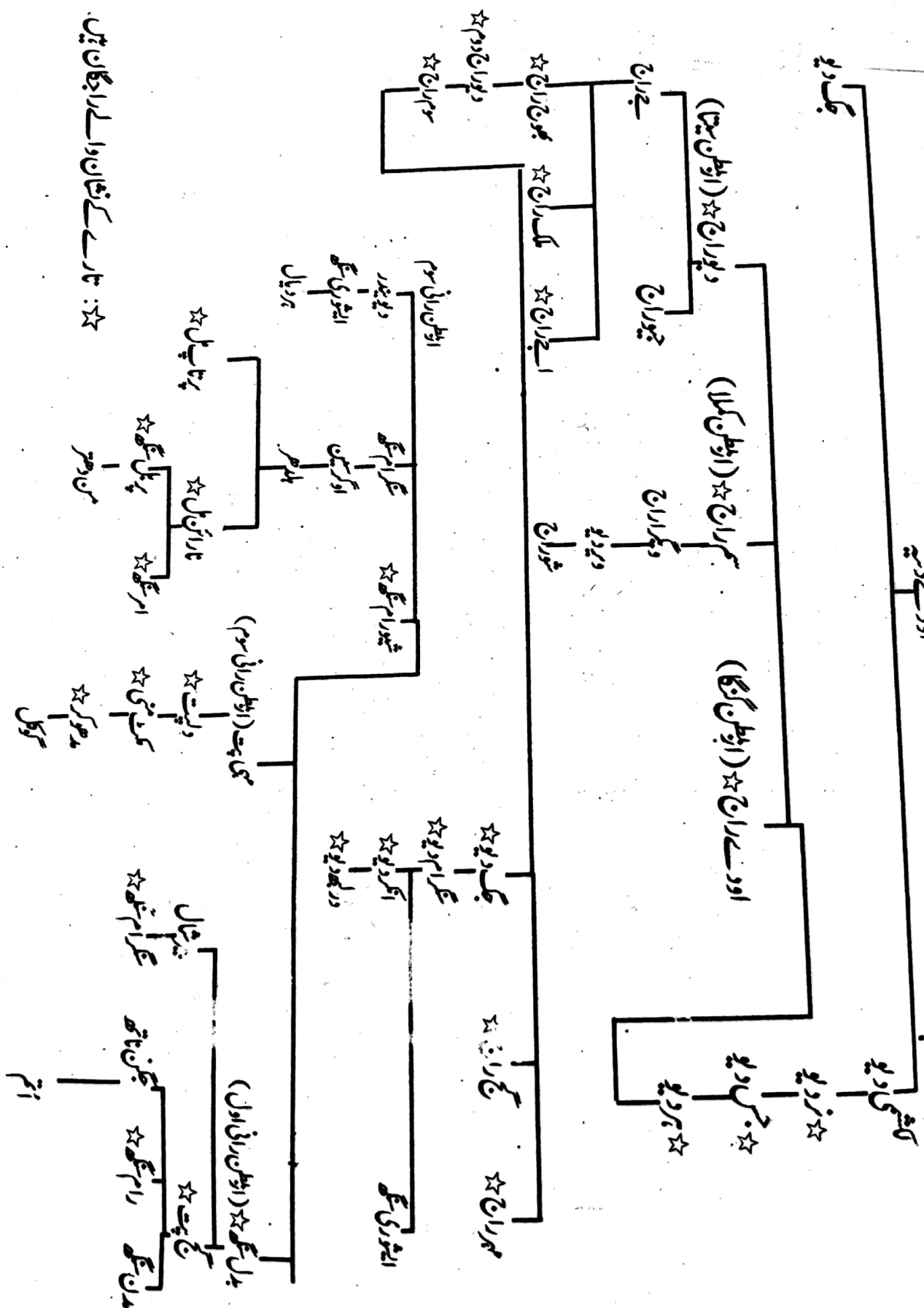
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اردو ترجمہ)

نوٹ: اس متن میں قوسین میں ذیلی سرخیاں اردو مترجم کی بنائی ہوئی ہیں۔ باقی متن اصل انگریزی ترجمے کے مطابق ہے (مترجم اردو)

اجینیہ کی ورتہ (کہانی)

(ابتدائی اجینی راجے)

1۔ بھوج دیو (1) کا جانشین اس کا بیٹا جے سنگھ (2) دھر (3) کے تخت پر بیٹھا۔ دشمنوں نے اس کو بیدخل کر کے مالوہ پر قابو پالیا البتہ اودے دتیہ (4) نے مالوہ (5) کو آزاد کرا لیا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا جگدیو (6) دھر سے نکلا اور گجرات (7) چلا گیا جہاں اس نے بگلانہ (8) میں ایک سلطنت قائم کی۔ لکشمی دیو (پسر دوم) (9) دھر کے تخت پر براجمان ہوا۔ دھر میں اسکا جانشین نر دیو (10) ہوا۔ نردیو کے بعد جس دیو (11) بیٹھا اور جس دیو کے بعد ہر دیو (12) بیٹھا۔

2۔ ہر دیو کی تین رانیاں تھیں پہلی کو سیتا کہتے تھے۔ دوسری کملا اور تیسری گنگا تھی۔ سیتا کا بیٹا دیوراج کمار کا بیٹا سومراج، ان دونوں نے دھر چھوڑ دیا اور راجسینا سلطنت کی بنیاد رکھی (13)۔ رانی گنگا کا بیٹا اودے راج (14) دھر میں تخت نشین ہوا۔ اسکے وزیر نے اسے نربدا (15) میں ڈبو دیا اور وہ خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اس پر دیوراج، رائے سین (16) کی حکومت سومراج کے پاس چھوڑ کر دھر آ گیا۔

3۔ جے راج (17) اپنے پسر کلاں اجے راج کی موت پر جو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس نے تخت اپنے

دوسرے لڑکے ملک راج (18) کو دے دیا اور خود اس نے جوگیوں کی زندگی اختیار کر لی۔

4۔اجے راج مہا کال کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا۔(19)

5۔ملک راج یونوں (20) کے ہاتھوں ۱۳۶۵سموت (21) میں مارا گیا۔

(بھوج راج کی مسلمانوں کے خلاف مزاحمت)

6۔بھوج راج (22) نے پہاڑوں میں پناہ لے کر کچھ عرصے تک جنگ جاری رکھی وہ دھر کو آزاد نہ کر سکا۔وہ اپنے بیٹے دیوراج دوم (23) اور اپنے راجپوت ساتھیوں کے ساتھ اپنے آبائی وطن سے کہیں اور پناہ کی تلاش کرنے نکل کھڑا ہوا۔اس نے ایک لمبے عرصے تک آوارگی کی زندگی بسر کی یہاں تک کہ اسے کیکت (24) کے چھیرو راجہ مکند (25) کے ہاں پناہ مل گئی۔

چھیرو راجہ نے اسکو اور اسکے بیٹے اور اسکے راجپوت ساتھیوں کو پناہ دیتے ہوئے انگو گنگ کی وادی میں جاگیر عطا کی۔بھوج راج اور اسکے ساتھی اجین (26) کے حوالے سے اجینیہ (27) کہلائے۔کچھ عرصہ بعد مکند کو یونوں کے ہاتھوں اجل آ پہنچی۔(28)

(ساہس بل اور اجینیوں کی جنگ)

اس کا بیٹا ساہس بل (29) اسکا جانشین ہوا۔وہ شراب اور نشہ کا عادی تھا اور بہت سنگدل تھا اور عورتوں کا شوقین تھا۔

جونہی وہ تخت نشین ہوا اس نے عوام پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ان کی دولت چھین لی اور انکی بیویوں اور بیٹیوں پر زبردستی ہاتھ ڈالا اور انکی بے حرمتی کی۔اس نے اجینیہ شہزادی کا ہاتھ مانگا۔بھوج نے اجینیہ شہزادی کو دینے سے انکار کر دیا ساہس بل زبردستی شہزادی کو اٹھانے آیا۔بھوج راج چھیروں کے ساتھ اپنے خاندان کی عزت اور حرمت بچانے کے لیے لڑتے ہوئے مارا گیا۔(30)

(ساہس بل کا قتل)

دیوراج نے اپنے راجپوت ساتھیوں سے مشورہ کر کے ساہس بل کو شادی کیلئے دعوت دی

ساہس بل اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیوراج کے گھر گیا۔اجینیوں نے انکو خوش آمدید کہا اور انکو خوب شراب اور نشہ پلایا۔جب ساہس بل اور اس کے ساتھی نشہ میں چور ہو گئے تو دیوراج نے ان کو ۱۳۸۰ سموت (31) میں اپنی تلوار سے قتل کر دیا اور یوں اپنے باپ کی موت کا بدلہ لیا۔

(بھوجپور کا قیام)

اور ایک گاؤں کی بنیاد رکھی جو بھوج پور (32) کے نام سے مشہور ہوا۔اس کے اجینیہ ساتھیوں نے دیوراج کو سنتان سنگھ (33) کا خطاب دیا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسکی سلطنت اور علاقہ بھوج پور کے نام سے مشہور ہوا۔

7۔۱۴۰۰ سموت (34) میں ریاست بھوجپور میں دیوراج کا جانشین اس کا بیٹا لوم راج (35) ہوا۔وہ ۱۴۴۵ سموت (36) میں تین بیٹے چھوڑ کر مرا جن کے نام ہرراج، گجراج اور جگ دیو تھے۔(37)

(سلطان ملک سرور جونپوری سے اہلِ اجین کی لڑائیاں)

8۔ ہرراج کے دور میں جب خواجہ سرور (38) کی فوجیں جونپور (39) سے بہار (40) کو روانہ تھیں تو انہوں نے چوسہ (41) کے مقام پر ایک ندی عبور کی جو بکر (42) پر ۱۴۵۰ سموت (43) میں رکیں۔انکے کچھ سوار سیر کی غرض سے گنگ کے کنارے گئے برھمنوں کو سندھیا ادا کرتے اور دیئے جلاتے دیکھ کر ان سواروں نے ان سے چھیڑ خانی شروع کر دی۔جب برہمن کو غصہ آیا تو وہ ان سے جھگڑا کرنے لگا گالیوں کے تبادلے کے بعد لڑائی یقینی ہوگئی۔اسی لمحہ مہاراجہ کمار گج راج کے راجپوت سپاہی وہاں سے گزر رہے تھے۔انہوں نے یونا سپاہیوں (44) پر حملہ کر دیا۔اس خبر کے ملتے ہی ان کے ساتھیوں نے ان پر عام حملہ کر دیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔اسی دوران مہاراجہ کمار گج راج کو یوناؤں اور اپنے راجپوتوں کی لڑائی کی خبر ملی تو موخر الذکر کی مدد کے لیے آیا۔بہت سے یون مارے گئے اور باقی جونپور بھاگ گئے۔خواجہ سرور نے اجینیوں کے ہاتھوں اپنے سپاہیوں کے قتل عام کی خبر سن کر بھوج پور پر حملہ

کر دیا۔مہاراجہ ہرراج لڑتے ہوئے مارا گیا۔اجینیوں نے مہا راج کمار گج راج اور دیو راج (45) اور خاندان کے دیگر افراد کو اٹھایا اور بھاگ نکلے۔یون سپاہی شہر میں داخل ہو گئے اور اس لوٹنا شروع کر دیا انہوں نے مندر ڈھا دیئے۔محل کو آگ لگادی اور اسطرح بھوجپور کو تباہ کر دیا۔

9۔اجینیی بھوج پور سے نکلے تو مہاراجہ کمار گج راج کو تخت نشین کیا انہوں نے گھنے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ کی اور یونوں کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھی۔وہ وقتاً فوقتاً پہاڑوں سے آتے یونوں پر حملہ کرتے انکو قتل کرتے اور لوٹنے کے بعد اپنی کھوہ میں واپس چلے جاتے۔یہ لڑائی ایک سال تک جاری رہی (46) لیکن خواجہ سرور اجینیوں کو زیر کرنے میں ناکام رہا۔۱۴۵۶سموت (47) میں خواجہ سرور فوت ہو گیا۔اجینیی پہاڑوں اور جنگلوں سے نکلے اور کرور (48) کے علاقے پر قابض ہو گئے۔۱۴سال تک پر امن طریقے سے راج کرنے کے بعد ۱۴۷۰سموت (49) میں گج راج فوت ہو گیا۔

(سلطان ابراہیم شرقی اور اہلِ اجین کا تصادم)

10۔چونکہ مہاراجہ گج راج کی کوئی اولاد نہ تھی لہذا اس کا سب سے چھوٹا بھائی جگ دیو اس کا جانشین ہوا۔۱۴۷۳سموت (50) میں ابراہیم شاہ (51) نے متردد ہوکر ایک فوج کرور بھیجی۔جگ دیو نے کرور چھوڑ دیا اور جنگلوں میں چلا گیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔وہ ۱۴۸۰سموت (52) میں فوت ہوا۔

11۔۱۴۸۰سموت (53) میں سنگرام دیو (54) بھوج پور کی گدی پر بیٹھا۔اسکی رسم تخت نشینی پہاڑوں میں کی گاٹیوں میں ہوئی۔اسکی تخت نشینی کے وقت اس نے ابراہیم شاہ سے جنگ لڑنے کی قسم کھائی تاکہ وہ بھوج پور کو آزاد کرائے۔اجینیوں نے اپنے آخری قطرہ خون تک جنگ جاری رکھنے کی قسم کھائی یعنی جب تک ان کے ہاتھوں میں تلوار پکڑنے کی طاقت ہے۔سنگرام دیو پورے پانچ سال تک ابراہیم شاہ کے خلاف لڑتا رہا۔یہ لڑائی بلاتعطل مختلف

مقامات پر دن رات جاری رہی۔ آخر کار ابراہیم شاہ فوت ہو گیا(55) اور اسکی موت کے ساتھ ہی یونوں نے بھوجپور چھوڑ دیا اور الٹے پاؤں لوٹ گئے۔ سنگرام جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل آیا اور بھوجپور پر اپنا اقتدار قائم کیا اور دیہ(56) میں اپنا تخت قائم کیا۔ وہ ۱۵۱۰ سموت(57) میں فوت ہوا۔

(محمود شاہ شرقی اور اہلِ اجین)

12۔ سنگرام کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا جانشین ہوا جس کا نام ایشوری سنگھ(58) تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہی آرام دہ ہونے کی وجہ سے بیمار رہتا تھا، اس نے گدی نشین ہوتے ہی ریاست کے کام ہوا میں اُڑا دیئے اور آرام اور سکون کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اسکی عیاشی کی خبریں سن کر محمود شاہ(59) نے ۱۵۱۱ سموت(60) میں دیہ پر حملہ کر دیا ایشوری سنگھ کو جیسے ہی یونوں کی فوج کی آمد کی خبر ملی اس نے محل چھوڑ دیا اور جنگل میں بھاگ گیا۔ یونوں نے دیہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ وہ ۱۵۱۲ سموت(61) میں جنگلوں میں جنگلوں کی خاک چھانتے ہوئے یونوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

13۔ ایشوری سنگھ کے جنگل فرار کے بعد اجینیوں نے اونکر دیو(62) کی زیر قیادت یونوں کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھی۔ جب ایشوری سنگھ مارا گیا تو انہوں نے اونکر دیو کو گدی نشین کیا اور جنگ جاری رکھی۔ ۱۵۱۳ سموت (63) میں محمود شاہ کی وفات کے بعد یون سپاہی بھوجپور سے چلے گئے۔ کیونکہ انکے لیے اجینیوں کے طریقہ جنگ اور حملوں سے مقابلہ کرنا نا قابل برداشت تھا۔ اونکر دیو نے بھوجپور پر اپنا اقتدار قائم کیا جو یونوں نے خالی کر دیا اور ہے اور بہتہ(64) میں حکومت قائم کی اس وقت حسین شاہ(65) دہلی کے سلطان(66) کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا اسلیے وہ بھوجپور کے اجینیوں کو زیر نہ کر سکا۔

(لودھی افغان اور اجین)

۲۶ سال کی طویل جنگ کے بعد ۱۵۳۲ سموت(67) میں بہلول لودی نے مشرق

میں جونپور اور بنارس تک سارے علاقے پر قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ جب وہ مشرق کی جانب بڑھا تو اسکا مقابلہ اجینیوں سے ہوا بیلول مزید آگے نہ بڑھ سکا اور واپس لوٹ گیا۔ اونکر دیو نے ۳۲ سال حکومت کے بعد ۱۵۴۵ سموت (68) میں وفات پائی۔

14 درلبھ دیو ۱۵۴۵ سموت (69) میں بھوجپور میں گدی نشین ہوا۔ کچھ عرصے بعد لودی سلطان (70) نے جمال خان (71) کو جونپور کا حاکم مقرر کیا۔ جونپور پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے بعد اس نے بہار کی جانب فوجیں روانہ کیں۔ جیسے ہی فوجیں بھوجپور پہنچی تو ان کا اجینیوں سے مقابلہ ہوا۔ درلبھ دیو جنگ میں شکست کے بعد جنگلوں میں چلا گیا۔ جمال نے بہار میں اپنا اقتدار قائم کر کے وہاں پر حسن خان (72) کو اپنا نائب مقرر کیا اور سہسرام (73) اسے جاگیر میں دیا۔

(حسن خان سور اور اہلِ اجین)

حسن خان نے اجینیوں سے لڑائی کی جگہ ان سے دوستی کر لی۔ درلبھ دیو نے حسن خان کا اقتدار تسلیم کر لیا اور بھوجپور پر حکومت کرنے لگا۔ (74)

(کمار بدل)

15۔ مہاراجہ کمار بدل (75) جو اپنی سوتیلی ماں کے رویے سے اور باپ کے مخالفانہ رویہ کی وجہ سے پریشان تھا اس نے محل چھوڑنے کا ارادہ کیا اور وہ اپنا زیادہ وقت شکار میں گزارتا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگل اور پہاڑوں میں چلا جاتا اور کئی کئی دنوں تک گھر نہیں آتا۔ کئی بار اس نے ملک چھوڑنے کا سوچا لیکن اپنی ماں کی التجا پر وہ اپنی سوتیلی ماں کا ظلم برداشت کر جاتا۔ ۱۵۵۷ سموت (76) میں اکشیہ ترتیہ (77) کے موقع پر مہاراجہ درلبھ دیو نے اسکی سوتیلی ماں کے کہنے پر شورام سنگھ (78) کو جو اسکی دوسری بیوی سے تھا (79) اپنا ولی عہد بنا دیا۔ محفل کی فضا حد درجہ مکدر ہوگئی۔ اسکی ایک اور سوتیلی ماں (80) اور اسکا بیٹا مہی پت (81) اسکی سگی ماں سے مل گئے اور انہوں نے اسکو اپنے باپ سے اپنے حق کیلئے لڑنے پر اکسایا لیکن جب تک اس کا باپ زندہ رہا اس نے اپنا دماغ ٹھنڈا رکھا اور اسکے لئے اس نے اپنی

پر قائم رہا۔ آخر کار دن رات کی لعنتوں اور طعنوں سے تنگ آ کر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گھنے جنگلوں میں شکار کیلئے چلا گیا۔ اس نے جنگل کی نا قابلِ برداشت جنگلی زندگی اپنی خوشی سے گزاری مگر اس نے کبھی گھر واپس آنے کا نہیں سوچا۔ وہ سارا دن اپنے دوستوں کے ساتھ شکار کرتا اور راتوں کو کسی ندی کے کنارے پھل اور گوشت (82) کھا کر گذارا کرتا تھا۔ اسطرح اس نے کئی ماہ گزارے اس نے ہزاروں شیر، ریچھ، جنگلی سور اور خصی سور اور ہرن شکار کیئے۔

(شیر شاہ کی کمار بدل سے ملاقات)

ایک دن وہ دو پہر کو اپنے دوستوں کے ساتھ ایکپانی کے تالاب کے پاس آرام کر رہا تھا۔ اسکے کچھ آدمی کھانے کا انتظام کرنے میں لگے تھے اچانک اس نے دیکھا ایک جوان یون (83) سوار اپنے گھوڑے پر سوار اس کی جانب آ رہا ہے۔ وہ بلا خوف ان راجپوتوں کے پاس سیدھا چلا آیا۔ (84) اس نے آتے ہی جونپور جانے والے راستے کے بارے میں دریافت کیا۔ بدل نے اسے بتایا کہ جونپور تو بہت دور وہاں پہنچنے میں بہت دن لگیں گے۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ کسطرح راستہ طے کرے گا۔

(شیر شاہ کے خیالات)

نوجوان نے جواب دیا کہ امیر و غریب حکیم و دانا سب اس دنیا میں اکیلے ہی آئیں ہیں اور اکیلے ہی جائیں گے۔ شیر کے بچوں کو شکار کرنا کوئی نہیں سکھاتا اور شیر، شکار کے لیے اپنے ساتھیوں کا انتظار نہیں کرتا۔ اس لیے اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے راستے پر کسی کا انتظار کرے بغیر اکیلا کیسے جائے گا۔ جہاں تک راہ میں اشیاء (خوردنی) کا تعلق ہے تو خوبصورت جنگلوں میں بہت کچھ ہے اور ندی کا پانی پیاس بجھانے کو کافی اور بھوک مٹانے کے لیے شکار کرنے کو جانور ہیں۔ تمہاری طرح میں بھی شکار کر سکتا ہوں جب میں بھوک محسوس کرتا ہوں اور ندیوں کے کنارے آرام کر لیتا ہوں۔

(شیر شاہ اور کمار بدل کی دوستی)

اس نوجوان کی تقریر سن کر مہاراجہ کمار بدل نے فوراً اسکو ایک بہادر اور اعلی نسل (85) کا خوددار شخص مان لیا۔ اس نے نوجوان سے درخواست کی کہ وہ کچھ دیر آرام کرے اور کھانے میں شامل ہو اور اسکے بعد وہ اسکے ساتھیوں کی راہنمائی میں اپنی راہ جا سکے

گا۔ضرورت پڑی تو اپنا ایک آدمی راہ نما جونپور تک بھی اسکے ساتھ کردے گا۔اس نے مہاراجہ کمار بدل کی درخواست مان لی اور گھوڑے کی پشت سے اتر آیا۔گھوڑے کی زین کھول دی اور اسے گھاس چرنے چھوڑ دیا یہ سادہ دل آدمی مہاراجہ کمار کے پاس آیا اور اسکے ساتھ بیٹھ گیا۔جب وہ کھانا کھا چکے (86) تو مہاراجہ کمار نے اس نوجوان سے باتیں شروع کیں اور پتہ چلا کہ اس کا نام فرید خان (87) تھا اور وہ حسن خان جاگیردار سہسرام کا بڑا بیٹا تھا اور یہ کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کے رویے سے دلبرداشتہ ہو کر جونپور جا رہا تھا۔اسکی دکھ بھری داستان سن کر مہاراجہ کمار کی آنکھیں نم ہو گئی اور وہ اتنا جذباتی ہوا کہ اس سے بولا بھی نہیں گیا۔نوجوان نے اس بہادر وگھبرو جوان کو روتا دیکھا تو حیران ہوا اور اس سے آنسو بہانے کی وجہ پوچھی۔مہاراجہ کمار بدل نے جواب میں مختصراً اپنی کہانی سنائی۔وہ نوجوان بھی مہاراجہ کمار کی کہانی سن کر افسردہ ہو گیا۔ان دونوں کی ایک جیسی بدنصیبی ان دونوں کو قریب لے آئی اور وہ دونوں کے دوست بن گئے۔دونوں نے تلواریں ہاتھ میں لے کر ساری زندگی ایک دوسرے سے دوستی نبھانے اور ہرے وقت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی قسم کھائی (88) پھر وہ دونوں گلے ملے اسکے بعد جدا ہو گئے۔

(فرید کی جاگیر پر واپسی اور راجہ درلبھ سے تعلقات)

۱۵۶۷سموت (89) میں حسن خان نے مجبور ہو کر فرید کو جونپور سے واپس بلا لیا اور اسکو سیسرام کا انتظام سپرد کر دیا۔فرید نے جیسے ہی سہسرام کا انتظام ہاتھ میں لیا اس نے اپنے آدمی کو مہاراجہ درلبھ دیو کے پاس بھیجا تا کہ مہاراجہ کمار بدل کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

اس وکیل کے ذریعے سواری کیلئے ایک گھوڑا اور خلعت فاخرہ کا لباس مہاراجہ کمار کیلئے روانہ کیا اور مہاراجہ سے درخواست کی گئی کہ وہ چند روزہ قیام کیلئے مہاراجہ کمار کو سہسرام بھیج دے بشرطیکہ اس سے مہاراجہ کو تکلیف نہ ہو ورنہ وہ خود مہاراجہ کی خدمت میں سلام کرنے کیلئے حاضر ہو گا جہاں وہ مہاراجہ کمار بدل سے بھی ملاقات کر لے گا۔مہاراجہ نے فرید کے پیغام میں موجود سنجیدگی اور خدائی رضا کو فوراً جان لیا۔اس نے فرید کے وکیل پر بہت نوازش کی اور اس کی تسلی کیلئے وکیل کو انعام سے نوازا اور وکیل کے ذریعہ فرید کو کہلا بھیجا کہ وہ اب بہت بوڑھا ہو

گیا ہے اور اپنے علاقہ کے معاملات چلانے کے قابل نہیں رہا ہے۔راجکمار بدل انتظامی معاملات میں اسکی مدد کرتا ہے۔اور اگر وہ یہاں سے چلا جائے گا تو ریاست کے انتظام میں خلل پیدا ہو جائے گا۔اسکے باوجود اگر فرید کو اسکی ضرورت ہے تو اسکو بھیجنے کیلیئے تیار ہے۔

فرید کی خواہشات پوری ہوگئیں۔مہاراجہ درلبھ دیو کمار بدل اور اسکی ماں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔اب اس نے انکو مطمئن کرنے کی غرض سے ان کا جائز حق اور مقام دیا۔لیکن مہاراجہ کمار بدل آرام دہ اور پر تعش زندگی گزارنے پر راضی نہ تھا۔

(فرید کی آگرہ روانگی)

فرید کے اپنے والد سے اختلافات پھر بھر گئے اور اب وہ ۱۵۷۴ سموت (90) میں آگرہ چلا گیا۔جب مہاراجہ درلبھ دیو نے فرید کے سہسرام سے چلے جانے کا سنا تو اس نے اپنی چھوٹی بیوی کی ہدایات کے مطابق بدل سے بدسلوکی شروع کردی۔(91) لیکن اس بار وہ بدل کو اس کی حیثیت اور طاقت میں زیر نہ کرسکا۔اب اسکی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔اس موقع پر ہزاروں اجینی اپنی جانیں اسکے کہنے پر قربان کرسکتے تھے مہاراجہ کمار بدل نے اپنے باپ کے روپ میں تبدیلی دیکھ کر بھیہ (92) چھوڑ دیا اور جگدیش پور (93) آ گیا اور پہلے کی طرح اپنے علاقے کا انتظام کرنے لگا۔

(تخت نشینی کی جنگ اور کمار بدل کا قتل)

۱۵۷۵ سموت (94) میں مہاراجہ درلبھ دیو فوت ہو گیا اور جانشینی کا جھگڑا شروع ہو گیا۔اجینی تین گروپوں میں بٹ گئے۔ان میں سے ایک بدل کا حامی تھا۔دوسرا شورام (95) کے تابع تھا اور تیسرا گروہ مہی پت سے مل گیا۔بدل نے جگدیش پور میں اپنی قوت قائم رکھی۔شورام بھیہ میں گدی نشین ہوا۔مہی پت نیمتیلہ (96) میں راجہ کے طور پر تاج پوشی کی۔صورت حال بدتر ہوگئی اور آئے دن جنگ ہونے لگیں۔مہی پت نے دھوکے سے بدل کو قتل کردیا۔شورام نیمی پت کو قتل کر کہ اپنی راہ سے کانٹے ہٹا دیئے اور یوں اُس نے بھوجپور پر قبضہ کرلیا۔بدل کی رانی (97) اپنے دونوں بیٹوں گج پتی اور بیری شال (98) کے ساتھ جنگلوں میں چلی گئی۔

(راجہ گج پتی کی شیر شاہ کے پاس آمد)

رانی نے پہاڑوں میں موجود جنگلوں میں بارہ سال گزارے۔(99) اُس نے

اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی جو راجکمار کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ گج پتی اٹھارہ سال کی عمر میں کشتی میں بہترین جنگو اور شجاع نکلا۔ اگرچہ بیری شال صرف ۱۵ سال کا تھا لیکن وہ اپنے بڑے بھائی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اپنے دونوں بیٹوں کو ہر طرح سے اہل پا کر رانی نے ۱۵۸۸ سموت (100) میں شیر خان کے پاس سہسرام بھیج دیا(101)۔ شیر خان نے اُن کو تہہ دل سے خوش آمدید کہا۔ اُن کو گلے لگایا اور ان سے ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا۔

(فتح بھوجپور)

چند روز کے بعد شیر خان نے دونوں شہزادوں سے اپنے ساتھیوں کو جمع کرنے کو کہا۔ جب شہزادوں نے دو ہزار اجینی جمع کر لیے تو شیر خان نے ان کو بھوجپور پر قبضہ کرنے بھیج دیا چھ ماہ کی جنگ کے بعد شورام گج پتی کے ہاتھوں مارا گیا(102) اب گج پتی پوری شان شوکت کے ساتھ بھوجپور میں گدی نشین ہوا۔

(جنگ سورج گڑھ)

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شیر خان بنگال فتح کرنے روانہ ہوا۔(103) مہاراجہ گج راج اُس کا مشکور ہوتے ہوئے دو ہزار اجینیوں کے ساتھ(104) اُس کی خدمت میں آیا۔ وہ سورج گڑھ(105) کے میدان میں ابراہیم خان (106) کا مقابلہ کرنے نکلے۔ اس (ابراہیم خان) نے قلعہ مونگیر(107) پر اپنے قبضے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی پوزیشن کو مظبوط کرنے کی غرض سے مونگیر اور اس سے آگے گنگ(108) کے دونوں کناروں پر اپنی فوجیں لگا دیں۔ جب شیر خان اُن کے مقابلے پر آیا تو وہ صورتِ حال کو سمجھ گیا اور اُس نے جان لیا کہ لڑنا یا واپس چلے جانا دراصل خود کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے اور بچت صرف اسی میں ہے کہ مضبوطی سے میدان میں ڈٹے رہو۔ لہذا وہ ابراہیم خان کے مقابلے پر مضبوطی سے ڈٹا رہا۔ دونوں فوجیں اس توقع پر میدان میں خاموش پڑی رہیں کہ شاید دوسرا پہلے پر حملہ کرے گا۔ آخر شیر خان نے اپنی افواج کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور ان میں سے ایک کو دشمن کے سامنے رکھا اور دوسرے گروہ رات کی تاریکی میں ایک خفیہ جگہ بھیج دیا اور ایک تیسرے حصے کو کہا کہ وہ دن کی روشنی میں ہزیمت کا اظہار کرے۔ تین ہزار پٹھانوں اور دو ہزار اجینیوں کو دشمن کے سامنے تعینات کر کے شیر خان پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ مشرق کی جانب چلا گیا اور وہاں ایک خفیہ

جگہ میں جا کر بیٹھ گیا۔دوسرے دن افغان فوج کے تیسرے حصے نے بھاگنے کا ڈرامہ کیا۔ابراہیم خان نے پٹھانوں کی ہزیمت دیکھی تو اُن کے ہراول دستے پر آن پڑا۔پٹھانوں اور اجینیوں نے اُن کے حملے کا بھرپور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ابراہیم خان نے دوپہر تک متواتر سخت حملے کیے مگر پٹھان اور اجینی میدان میں سختی سے قائم رہے۔اس دوران یہ دیکھا گیا کہ شیر خان اپنے سواروں کے ساتھ مشرق کی جانب سے چلا آ رہا ہے تو بھاگتی ہوئی افغان فوجیں بھی پلٹیں اور پیش قدمی کرنے لگی۔اب بنگالی افواج شکست کھا گئیں اور بھاگ نکلیں۔

(مہاراجہ گج پتی کے ہاتھوں ابراہیم کا قتل)

پٹھانوں اور راجپوتوں نے بھاگتے ہوئے بنگالی سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ابراہیم بھاگتے ہوئے مہاراجہ گج پتی کے ہاتھوں مارا گیا۔(109) فتح شیر خان کے ہاتھ آئی۔

(شیر شاہ کا گج پتی کو انعام و کرام)

شیر خان مہاراجہ گج راج کی بہادری دیکھ کر بہت خوش ہو۔اجنگ کا مالِ غنیمت مثلاً ہاتھی، گھوڑے اور دوسرا اسامان جو مہاراجہ کے ہاتھ آیا تھا وہ اسی کو پاس رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔مہارجہ کی راونگی کے وقت اُس نے ایک مرصع تلوار اُسکی کمر پر باندھی، اُس کے بازو پر ایک مرصع بازو باندھا۔اسکے گلے میں ہیروں کا ہار ڈالا، اسکے سرپیچ میں ایک جوہری کلنگی، لگائی، اسے ایک گھوڑا، خلعت فاخراہ اور شہزادہ بیری شال کو ایک تلوار عطاء کی (110) اور بکسر اسکی جاگیر میں دیا۔اس (مہاراجہ) نے سورج گڑھ سے واپس آتے ہوئے چندروز جگدیش پور میں قیام کیا۔اسکے بعد اس نے بکسر کا انتظام کیا اور اجینیوں کے ہمراہ اپنی حکومت گاہ وہاں رکھی۔(111)

(راجہ دلپت کے حالات)

جب مہارجہ گج راج کا چچا مہی پت مارا گیا تھا تو اس کی رانی اپنے کمسن بیٹے جس کا نام دلپت (112) تھا، اسکے ساتھ اپنے بھائی، بیر بہان (113) کے پاس اریل (114) چلی گئی۔

(ہمایوں بادشاہ کا غلبہ)

۱۵۹۴ اسموت (115) میں ہمایوں کے شیر خان سے اختلافات بڑھ گئے اور اس

نے شیر خان کے خلاف کوچ کیا اور قلعہ چنار کا محاصرہ کر لیا۔ بیر بھان نے اپنے بھانجے دلپت کو ہمایوں کی خدمت میں پیش کیا اور بھوجپور اس کو دیئے جانے کا فرمان حاصل کر لیا۔

(راجہ گج پتی کی شیر شاہ کے پاس آمد)

فتح چنار کے بعد جب ہمایوں بارکنڈہ (116) کی طرف روانہ ہوا تو اس نے اس (دلپت) کے ساتھ کچھ شاہی فوج بھوجپور پر قبضہ کے لیے بھیج دی، مہاراجہ گج پتی برطرف ہونے کے بعد شیر خان کے پاس چلا گیا (117)۔ دلپت نے بکسر اور بھوجپور پر قبضہ کر لیا اور پھر جگدیش پور کی جانب کوچ کیا۔ بیری شال نے مہاراجہ کی ہدایت کے مطابق جگدیش پور چھوڑ دیا اور اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ قلعہ روہتاس (118) میں چلا گیا۔

(دلپت کی حکومت)

دلپت بھوجپور کا حاکم بن گیا۔ (119)

تحقیقی حواشی

1۔ بھوج دیو مالوہ کا مثالی حکمران تھا اجین شہر کی موجودگی کا ثبوت 850 ق م میں بھی ملتا ہے۔ یہاں پر اسوقت پوار راجپوتوں کی حکومت تھی۔ ان کے بعد یہاں مشہور راجہ وکرما دتیہ (بکرماجیت) گزرا۔ بھوج دیو یہاں کا مشہور راجہ تھا۔ مسٹر ٹاڈ کے مطابق راجہ بھوج دیو 714 میں گزرا۔ (Todl ص 92-91)

2۔ جے سنگھ پسر راجہ دیوا اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اسے جیت پال نامی راجپوت نے بیدخل کیا تھا اور تاور خاندان کی بنیاد رکھی۔ آگے لفظ "دشمنوں" سے مراد یہی جیت پال ہے (امبستھا ص 5)

3۔ دھر، مالوہ کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ راجپوتوں کے دور میں یہ مالوہ کا دارالحکومت تھا پھر مسلمانوں نے مانڈو کو دارالحکومت بنالیا۔

4۔ اودے دتیہ نے 309 سال کے بعد 1073ء میں پھر سے پوار (یا ہرمار) راجپوتوں کی حکومت قائم کی (Tod I ص 96)

5۔ مالوہ، وسطی ہند کے علاقے کا نام ہے۔ یہ علاقہ صوبہ مالوہ کہلاتا تھا۔ آج کل وسطی ہند کا بڑا علاقہ مدھیہ پردیش (M.P) کہلاتا ہے جس میں مالوہ کا علاقہ بھی شامل ہے۔

6۔ جگدیو دھر پسر اودے دتیہ اپنے باپ کی زندگی میں گجرات گیا اور سلطنت کی بنیاد رکھی۔

7۔ گجرات ہندوستان میں ایک صوبے کا نام ہے۔ آج بھی اس نام سے صوبہ ہے۔ عہد وسطی میں بھی اس نام سے تھا۔ یہ صوبہ بہت عرصے آزاد ریاست کی حیثیت سے بھی قائم رہا ہے۔ (دیکھیئے تاریخ گجرات)

8۔ بگلانہ گجرات، خاندیش اور دکن کے درمیان ایک علاقے کا نام ہے۔ یہاں پر دو بہت مظبوط

قلعے سلیر اور ملیر ہیں۔ (تزک جہانگیری۔ بیورتج ص 396)

9۔ لکشمی دیو، اودے دتیہ کا دوسرا لڑکا تھا۔ جگدیو کے بگلانا جانے کی وجہ سے تخت اسے ملا۔

10۔ لکشمی دیو کے مرنے کے بعد نرد یو تخت نشین ہوا۔ شاید یہ لکشمی دیو کا بیٹا تھا۔

11۔ جس دیو شاید نردیو کا بیٹا تھا۔

12۔ ہردیو بھی شاید جس دیو کا بیٹا تھا۔ عموماً راجوں کی گدیاں اولاد کو منتقل ہوتی تھیں۔ اگر اولاد نہ ہوتو بھائیوں کو جاتی تھیں۔

13۔ راج سینا دراصل رائے سین ہے۔ یہ ملک یا صوبہ مالوہ کی ایک سرکار تھی۔

14۔ اودے راج پسر ہردیو نے بہت کم عرصہ حکومت کی۔

15۔ نربدا وسطی ہند کا مشہور دریا ہے۔ یہ دریا شمالی ہندوستان کو دکن سے جدا کرتا ہے۔

16۔ دیوراج کے دو بیٹے تھے جیوراج اور جے راج۔ جے راج کے تین لڑکے تھے اجے راج، مُلک راج اور بھوج راج۔ یہ تفصیل اصل ہندی مخطوطے کے شجرے میں درج ہے جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

17۔ جے راج دیوراج کا چھوٹا بیٹا تھا۔

18۔ مُلک راج، جے راج کا بیٹا تھا۔

19۔ مہا کال اجین کا عظیم الشان مندر تھا۔ مسلمان بادشاہ التمش نے اسے 1235ء میں تباہ کیا تھا۔ (امبستھا ص 7)

20۔ "یون" سے مراد ہے مسلمان۔ یونوں اسکی جمع ہے۔ میرے خیال میں یہ صحیح ہے

21۔ 1365ء سموت بمطابق 1309ء

22۔ بھوج راج پسر خورد جے راج۔ دیکھیئے شجرہ لف

23۔ دیوراج پسر بھوج راج پسر جے راج۔ یہاں اسے دیوراج روم لکھا ہے کیونکہ اوپر ایک اور دیوراج نامی راجہ کا بیان ہو چکا ہے۔

24۔ کیکٹ پرانے زمانے میں اہلِ مگدھ کو کہتے تھے۔

25۔ راجہ کا نام مکند تھا مگر قوم اسکی چھیرو تھی۔

26۔ اجین شہر کا نام ہے جس کا ذکر اوپر بھی گزرا ہے۔

27۔ ہندی میں اجینیہ مگر اردو فارسی میں اجینی لکھتے ہیں۔

28۔ یعنی مسلمانوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔

29۔ ساہس بل پسر مکند کے حالات کیلئے دیکھیئے تاریخ اجینیہ (اردو) مطبع نول کشور لکھنؤ۔

30۔ بھوج راج کب مارا گیا اس حوالے سے کچھ نہیں کہہ سکتے البتہ قیاس ہے کہ ساہس بل کے قتل سے کچھ ہفتے قبل ہی مارا گیا ہوگا یعنی 1380ء سموت بمطابق 1324ء میں۔

31۔ 1380 سموت بمطابق 1324ء۔

32۔ بھوج پور بعد میں ایک بہت بڑا شہر بن گیا اور آج بھی بہت مشہور ہے۔ دیوراج دوم نے یہ شہر اپنے باپ کے نام سے آباد کیا۔

33۔ سنتان کا مطلب ہے "اولاد، نسل یا بیٹا" سنگھ کا مطلب ہے شیر۔ یعنی شیر کا بیٹا۔ یہ خطاب اسے ظالم اور طاقتور ساہس بل کو قتل کرنے پر دیا۔

34۔ 1400ء سموت بمطابق 1344ء

35۔ لوم راج بھوج پور کا دوسرا حکمران بنا۔ پہلا حکمران اس گاؤں کا بانی دیوراج دوم تھا۔

36۔ 1445ء سموت بمطابق 1389ء

37۔ ہرراج نے 1445 تا 1450 سموت بمطابق 1389ء تا 1394ء حکومت کی۔ گج راج نے 1450 تا 1470 سموت بمطابق 1394ء تا 1414ء حکومت کی۔ جگ دیو نے 1470 تا 1480 سموت بمطابق 1414ء تا 1424ء تک حکومت کی۔

38۔ طبقات اکبری کے مطابق سلطان محمود پسر سلطان محمد تغلق نے ملک سرور کو خواجہ جہان کا خطاب عطا کر کے جونپور کی گورنری دی تھی۔ وہاں اسے سلطان اشرق کا خطاب دیا

گیا تھا۔ بعد ازاں جب سلطان محمود کا اقتدار کمزور ہو گیا تو ملک سرور خود مختار ہو گیا اور جونپور کے علاوہ بہار پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس نے 16 سال یعنی 1382ء تا 1389ء/ 786ھ تا 802ھ حکومت کی تھی۔ اسکے حالات کی تفصیل کیلئے دیکھیئے طبقاتِ اکبری جلد سوم ص 278-297۔

39۔ بہار کی سرحد کے قریب مشرقی اودھ کا مشہور شہر۔ اسے مُلک جانا نے بسایا تھا۔ اسی نسبت سے جونا پور کہلایا جو جونپور ہو گیا۔ (آئینِ اکبری جلد دوم ص 829)۔ سلاطین اور مغلوں کے دور میں یہ صوبہ الہ آباد میں شامل تھا۔

40۔ بنگال اور اودھ کے درمیانے علاقے کو بہار کہتے ہیں۔ سلاطین کے دور میں اس نام سے صوبہ قائم ہوا جو آج تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

41۔ چوسہ کو چونسہ بھی کہتے ہیں۔ جو بہار میں ہے۔ شیر شاہ سوری نے اسی جگہ ہمایوں کو مشہور شکست دی تھی۔

42۔ بکر بھی بہار کا بہت مشہور مقام ہے۔ یہاں انگریزوں نے شجاع الاولہ کو شکست دی تھی۔

43۔ 1450ء سموت بمطابق 1394ء۔ بالکہر

44۔ یعنی مسلمان سپاہیوں

45۔ یہاں غلطی سے دیوراج لکھا گیا ہے۔ مہاراجہ سومراج کے تین لڑکے ہرراج (جو لڑتے ہوئے مارا گیا) گج راج اور جگ دیو تھے۔ یہاں دیوراج کی جگہ جگ دیو ہونا چاہیئے جیسا کہ شجرہ میں بھی درج ہے۔ (امبستھا)

46۔ یہ جنگ گوریلا جنگ کی طرز پر لڑی گئی۔

47۔ طبقاتِ اکبری کے مطابق ملک سرور 802ھ/ 1389ء میں فوت ہوا۔ مگر اس کتاب کے مطابق وہ 1456ء سموت/ 1400ء/ سندء میں فوت ہوا۔

48۔ کرور کا علاقہ بھوجپور کے جنوب میں صوبہ بہار کی ضلع شاہ آباد میں ہے۔

49۔ 1470ء سموت بمطابق 1414ء۔

50۔ 1473ء سموت بمطابق 1417ء۔

51۔ سلطان ابراہیم شرقی نے سلطنت جونپور پر 804ء/1400ء تا 844ء/1440ء حکومت کی۔ اس نے بنگال کو فتح کرنے کی بھی کوشش کی مگر پھر راجہ بنگال کے مسلمان ہونے پر لوٹ آیا (طبقات III ص 281-279)

52۔ 1480ء سموت بمطابق 1424ء

53۔ ایضاً

54۔ سنگرام دیو پسر جگ دیو جس نے 1480ء تا 1510ء سموت بمطابق 1424ء تا 1454ء حکومت کی۔ (امبستھا ص 15)

55۔ سلطان ابراہیم شرقی نے 1440ء میں وفات پائی۔

56۔ دیہ کا اصل نام دیوا ہے۔ یہ مقام ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں ہے۔

57۔ 1510ء سموت بمطابق 1454ء

58۔ ایشوری سنگھ نے 1510ء تا 1513ء سموت بمطابق 1454ء تا 1457ء حکومت کی (امبستھا ص 15)

59۔ یعنی سلطان محمود شرقی پسر سلطان ابراہیم شرقی جس نے 1440ء/844ء سے 1457ء/862ء تک حکومت کی (طبقات III ص 286-281)

60۔ 1511ء سموت بمطابق 1455ء

61۔ 1512ء سموت بمطابق 1456ء

62۔ اونکر دیو پسر خورد سنگرام دیو جس نے 1513ء تا 1545ء سموت بمطابق 1457ء تا 1489ء حکومت کی۔

63۔ 1513ء سموت بمطابق 1457ء

64۔ بہتہ بھی ایک جگہ کا نام ہے۔

65۔ یعنی سلطان حسین شرقی پسر محمود شاہ جس نے سلطنت جونپور پر 862ھ/1457ء تا 881ھ/1477ء حکومت کی یہ جونپور کا آخری بادشاہ تھا۔ (طبقاتِ III ص 291-286)

66۔ افغان بادشاہ سلطان بہلول لودھی بادشاہ دہلی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس نے 1451ء سے 1488ء تک دہلی پر حکومت کی اور سلطنت جونپور کا خاتمہ کر دیا۔

67۔ 1533ء سموت بمطابق 1477ء

68۔ 1545ء سموت بمطابق 1489ء

69۔ ایضاً

70۔ سلطان سکندر لودھی پسر سلطان بہلول لودھی جس نے 1488ء میں حکومت کا آغاز کیا اور سنۂ تک حکومت کی۔

71۔ جمال خان لودھی کو جونپور کا گورنر / حاکم سکندر لودھی نے سنۂ / سندھ میں مقرر کیا تھا

72۔ حسن خان سور پسر ابراہیم سوری سلطان سکندر کے دور میں جاگیردار مقرر رہوا

73۔ سہسرام صوبہ بہار میں ہے اور جونپور کی سرحد کے قریب ہے۔ (آئین اکبری II ص 827) شیر شاہ سوری کا مقبرہ یہیں ہے۔

74۔ حسن خان سور کی راجہ درلبھ دیو سے مصالحت کی پالیسی کے حوالے سے یہ معلومات بالکل نئی ہے۔

75۔ مہاراجہ کمار بدل پسر راجہ درلبھ دیو اس کہانی کا اصل ہیرو ہے جو شیر شاہ کا دوست تھا۔

76۔ 1557ء سموت بمطابق 1500ء

77۔ اکشیہ ترتیہ کا تہوار یکم اپریل 1500ء کو ہوا تھا۔

78۔ شورام نے 1575ء تا 1590ء سموت بمطابق 1519ء تا 1534ء بھوجپور پر حکومت کی۔ یہ راجہ درلبھ دیو کی دوسری بیوی کے پیٹ سے تھا۔

79۔ درلبھ کی اس دوسری بیوی کا نام (دیگر بیویوں کی طرح) بھی معلوم نہیں ہے۔

80۔ یعنی راجہ درلبھ دیو کی تیسری بیوی

81۔ مہاپت نے راجہ کمار بدل کو قتل کیا تھا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یہاں بیان یہ ہے کہ ان لوگوں نے شورام کے خلاف محاذ بنانا چاہا۔

82۔ ڈاکٹر امبستھا نے اس کا انگریزی ترجمہ meats کیا ہے۔ جس سے مراد صرف گوشت ہے۔ شیر شاہ کے دور میں، ہندوؤں کی گوشت خوری کا یہ بڑا اہم ثبوت ہے۔

83۔ یون یعنی مسلمان

84۔ اس میں اشارہ ہے کہ اجینی راجپوتوں اور مسلمانوں میں لمبے عرصے سے جنگ چل رہی تھی لہذا دونوں ایکدوسرے سے محتاط رہے تھے۔ مگر شیر شاہ اپنی بہادری کی وجہ سے ان سے بھی خوف نہ کھاتا تھا۔

85۔ مصنف نسل کی برتری اور کم تری پر یقین رکھتا ہے۔ نسل پرستی کے نظریات کے تحت بہادر اور ذہین لوگ صرف اعلیٰ نسل میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اعلیٰ نسل کے لوگ بزدل نکلیں تو انکے خون میں ملاوٹ ہوتی ہے۔

86۔ یہ بیان بھی بہت قابل ذکر ہے کہ ہندوؤں اور مسلمان (شیر شاہ) نے اکھٹے کھانا کھایا اور ایکدوسرے سے پرہیز نہ کیا۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو راجپوت جو گوشت خور بھی تھے وہ دیگر ہندوؤں کی نسبت زیادہ آزاد خیال اور کھلے ذہن کے حامل تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مسلمان بادشاہوں کے ساتھ شادیاں بھی کیں۔

87۔ فرید کا اصل نام فرید خان تھا۔ اسے اسلامی لوازمات کی پابندی کی وجہ سے بعض اوقات شیخ فرید بھی کہا جاتا تھا (افسانہ شاہان)

88۔ یہ اشارہ باہدروں اور جنگ جوؤں کی جانب ہے۔ وہ چونکہ تلوار سے کام لیتے تھے لہذا وہی ان کی روزی کا ذریعہ تھا اور بہت مقدس خیال کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے اسکی قسم کھا کر

ایکدوسرے کو اپنے خلوص کا یقین دلایا۔

89۔1567ء سموت بمطابق 1511ء

فرید کے ابتدائی حالات کی تاریخیں کسی بھی تاریخ میں درج نہ ہیں۔اس حساب سے یہ تاریخ جو بودھ راج بیکانری نے ہمیں بتائی ہے وہ کسی تحفے سے کم نہیں ہے۔اس سے ہمیں بہت سے واقعات کا تعین کرنے میں سہولت ہوگی۔یہ ہماری لیے بالکل نئی معلومات ہے۔فرید کے جاگیر آنے اور وہاں انتظام کرنے کے حالات کیلئے دیکھیئے تاریخ شیر شاہی ص 25-13؛ طبقات II ص 114-115۔تواریخ دولت شیر شاہی

90۔1574ء سموت بمطابق 1518ء

یہ تاریخ بھی کسی قیمتی تحفے سے کم نہیں ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرید نے اپنے باپ کی جاگیر پر 7 سال حکومت کی۔1518ء میں چونکہ سلطان ابراہیم نیا نیا تخت نشین ہوا تھا لہذا فرید کا خیال تھا کہ سلطان ابراہیم اپنے باپ کے امراء کا ہٹا رہا ہے۔شاید حسن کی جاگیر بھی براہ راست اسے مل جائے۔فرید کے باپ سے اختلافات اور آگرہ جانے اور آگرہ کے حالات کے حوالے سے دیکھیئے تواریخ دولت شیر شاہی ص ؛ تاریخ شیر شاہی ص 32-25؛ طبقات اکبری II ص 116

91۔اس سے ظاہر ہے کہ راجہ درلبھ دیو نے فرید کے ڈر سے اپنے بیٹے سے اچھا سلوک کیا تھا۔فرید کے جانے کے بعد وہ خوف دور ہوگیا۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھوجپور کا ہرگند بھی ہرگند سہسرام کی طرح سرکار روہتاس میں تھا۔

92۔بیہیہ اسوقت بھی ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں ہے۔راجہ کمار بدل نے اپنی رہائش وہاں رکھی ہوئی تھی۔

93۔جگدیش پور ضلع شاہ آباد صوبہ بہار کا مشہور ہے۔

94۔1575ء سموت بمطابق 1519ء

95۔دیکھیئے حاشیہ نمبر 78

96۔ متیلہ ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اسے متھیلہ بھی کہتے ہیں۔

97۔ یعنی کمار بدل کی بیوی جس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

98۔ تاریخ اجینیہ کے مطابق راجہ کمار بدل کے تین بیٹے راجہ گج پتی ساہی عرف گجن ساہی، بیری ساہی اور بھجن ساہی تھے۔ اسکے مطابق راجہ گج پتی 1519ء میں تخت نشین ہوا اور 1577ء میں اپنے چچازاد بھائی دلیت ساہی کے ہاتھوں قتل ہوا (ڈاکٹر امبستھا ص 24)

مگر تاریخ اجینیہ (اردو) کی اکثر معلومات غلط ہے (امبستھا 19) اس حساب سے اس تاریخ کی بہت اہمیت ہے۔

99۔ راجہ کمار بدل کے قتل کا واقعہ شاید تخت نشین کے کچھ دن بعد کا ہی ہے۔ جو کہ سال 1575ء سموت بمطابق 1519ء تھا۔ اب بارہ سال اسکی بیوی کی جلاوطنی کے لگانے چاہیں، یعنی 1575 سموت بمطابق 1519ء سے 1588ء سموت بمطابق 1531ء تک۔ جب ہم شیر شاہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا یہ دور بھی گوں ناگوں حالات کا شکار نظر آتا ہے۔

100۔ 1588ء سموت بمطابق 1532ء

یہ تاریخ شیر شاہی کے تذکروں سے مطابقت رکھتی ہے۔ اسوقت شیر شاہ بہار پر نیا نیا حکمران ہوا تھا۔

101۔ شیر شاہ نے بہار پر قبضہ کر کے سہسرام کو اپنا پایہ تخت بنایا جو اس کا مضبوط گڑھ رہا تھا

102۔ یہ واقعہ 1588 سموت بمطابق 1532ء کے آخر کا 1589ء سموت بمطابق 1533ء کے شروع کا ہے۔

103۔ دراصل بادشاہ بنگال محمود شاہ نے بہار فتح کرنے کی غرض سے فوج روانہ کی تھی۔ شیر شاہ نے صرف اپنا دفاع کیا تھا (تواریخ دولت شیر شاہی؛ تاریخ شیر شاہی ص 53-52؛ طبقات اا123-122؛ مخزن ص 222-221)

104۔ یہ معلومات بالکل نئی ہے۔ کہ شیر شاہ کی فوج میں اتنی بڑی مقدار میں اجینی راجپوت بھی شامل تھے جو بہت بہادری سے لڑے۔

105۔ تاریخ شیر شاہی میں اس جگہ کا نام صرف گڑھ جمع ہے (ص 53)۔ مخزن میں اس جگہ کا نام درج نہیں ہے۔ (ص 233) طبقات میں بھی نام درج نہیں ہے (ص 123) تاریخ شاہی میں بھی نام درج نہیں ہے۔ (ص 3-182) افسانہ شاہان میں سورج گڑھ کا نام آیا ہے مگر اس کی تفصیل نہیں ہے۔ (ص 99) سورج گڑھ کی لڑائی کی تفصیل دیگر تمام مجدضین نے بھی دی ہے مگر تاریخ شاہی کے علاوہ سب نے مختصر انداز می بیان کی ہے۔ تاریخ شاہی میں اسکی وجاحت ہے مگر اسکی اس سے بھی زیادہ تفصیل بودھ راج نے دی ہے جو آپ ملاحظہ کریں گے۔

106۔ ابراہیم خان یا ابراہیم شاہ پسر قطب خان (شاہ)۔ اس کا باپ قطب شاہ سلطان بنگالہ کے ماتحت مونگیر کا حاکم تھا۔ شیر شاہ کو بہار سے بیدخل کرنے کی غرض سے اسپر حملہ کیا اور مارا گیا۔ اب سلطان بنگال نے اسکے بیٹے ابراہیم شاہ کو بھیجا تا کہ وہ باپ کے انتقام میں اچھی طرح سے جنگ کرے مگر یہ بھی مارا گیا۔ (تواریخ دولت شیر شاہی ص ؛ تاریخ شاہی ص 183-181؛ طبقات II ص 124-121؛ مخزن ص 223-221؛ تاریخ شیر شاہی 57-44؛ افسانہ شاہان ص 99-97؛ 87)

107۔ مونگیر وسطی بہار میں مشہور مقام اور قلعہ ہے۔ یہاں کا حاکم قطب خان تھا جو شیر شاہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ دیکھیئے حاشیہ نمبر 106

108۔ یعنی دریائے گنگا۔

109۔ یہ معلومات بھی بالکل نئی ہے کہ ابراہیم خان کو گج پتی نے مارا تھا۔

110۔ اس سے شیر شاہ کے ان لوگوں سے مضبوط تعلقات اور انکے احترام کا اندازہ ہوتا ہے۔

111۔ یعنی اس نے اب بکر کو اپنا دارالحکومت بنایا، دیکھیئے حاشیہ نمبر 42 بالا

112۔ دلپت ول مہی پت۔ گج پتی کا چچازاد بھائی۔

113۔ راجہ بھیر جان راجہ ابریل ہے مغل تواریخ میں راجہ پر جان لکھا گیا ہے اس نے چونسہ

سے فرار کے وقت شیر شاہ کی مدد کی تھی۔وہ مغلوں کے خیر گواہوں میں تھا(تذکرہ الواقعات ص)

114۔ایریل؛صوبہ الہ آباد کا یک گند ہے۔

115۔1594ء سموت بمطابق 1538ء

116۔بھارکنڈہ صوبہ بہار کے ضلع پلاموں میں ہے۔

117۔یہ معلومات بھی نئی ہے کہ اب کہ براوقت آنے پر گج پتی یا اجینی لوگ جنگلوں میں نہ گئے بلکہ شیر شاہ کے پاس چلے گئے۔

118۔روہتاس بھی شیر شاہ کے قبضے میں تھا۔اس سے شیر شاہ کے راجپوتوں سے مضبوط تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔بعدازاں شیر شاہ روہتاس سے چلا گیا اور بیری شال نے روہتاس پر مضبوط قبضہ کرلیا اور بدلے میں راجہ کو بڑا علاقہ دیا(افسانہ شاہان ص 99-100؛مخزن 229-228:76-72)

119۔یہاں پر کتاب ختم ہو جاتی ہے اور آگے کے حالات درج نہ ہیں۔جس مخطوطے سے کاتب نے یہ نسخہ نقل کیا ہے وہ 1538ء کا لکھا ہوا تھا۔کیونکہ اس میں کہیں بھی شیر شاہ کو شیر شاہ نہیں لکھا بلکہ شیر خان لکھا۔یاد رہے کہ شیر خان نے شیر شاہ کا خطاب 1531ء میں لیا تھا۔

بابر بادشاہ

ہمایوں بادشاہ

طہماسپ صفوی شاہ ایران
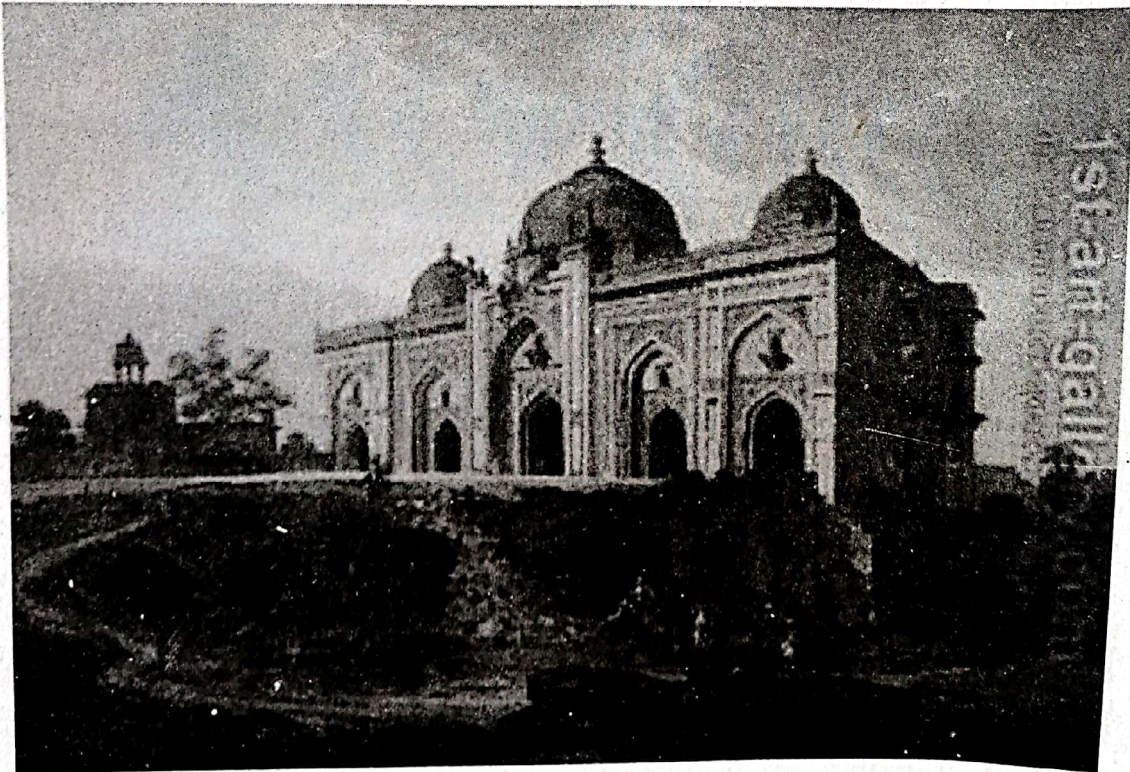
مسجد پرانا قلعہ (1823 میں)

پرانا قلعہ دہلی (1823 میں)
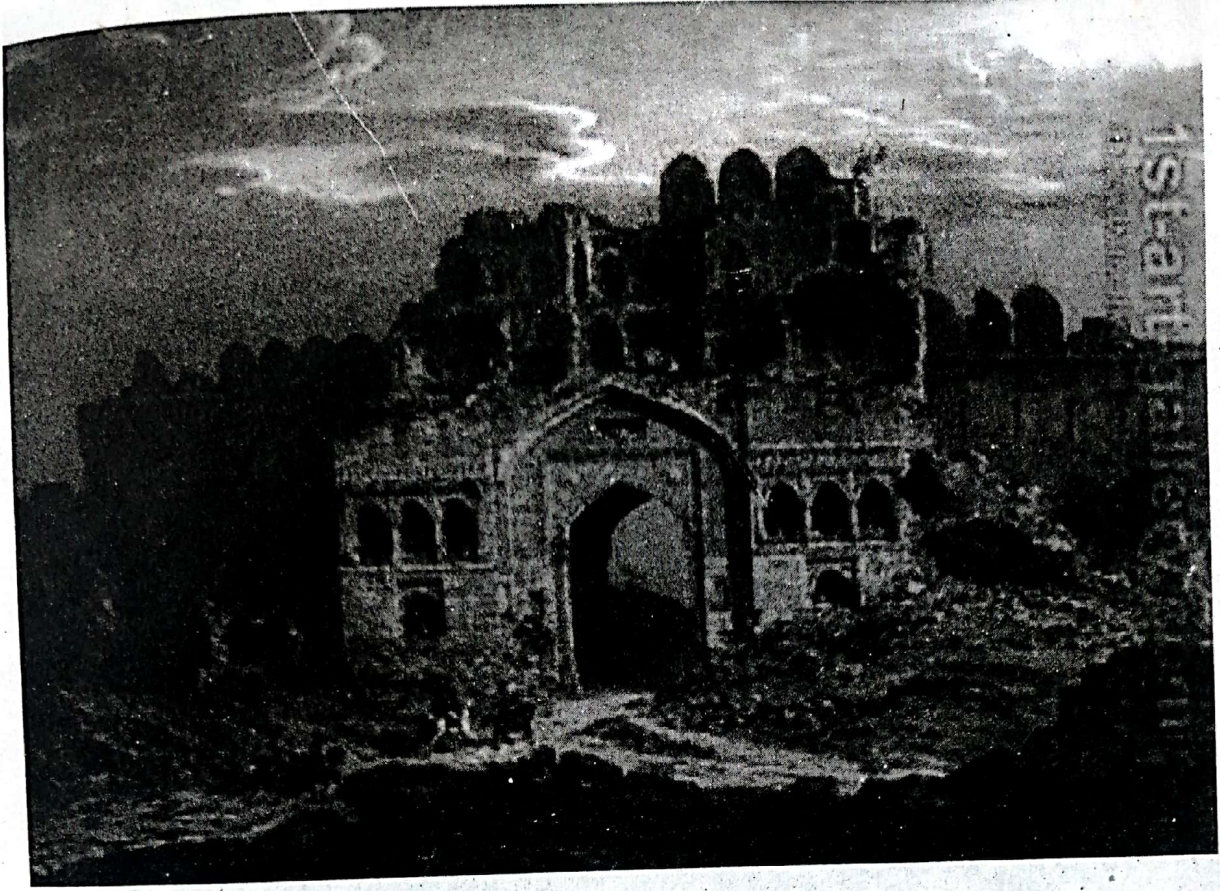
پرانا قلعہ دہلی (موجودہ حال)

قلعہ روہتاس (پاکستان)

قلعہ روہتاس (بہار انڈیا)

مقبرہ شیر شاہ سہرام

شیر منڈل دہلی
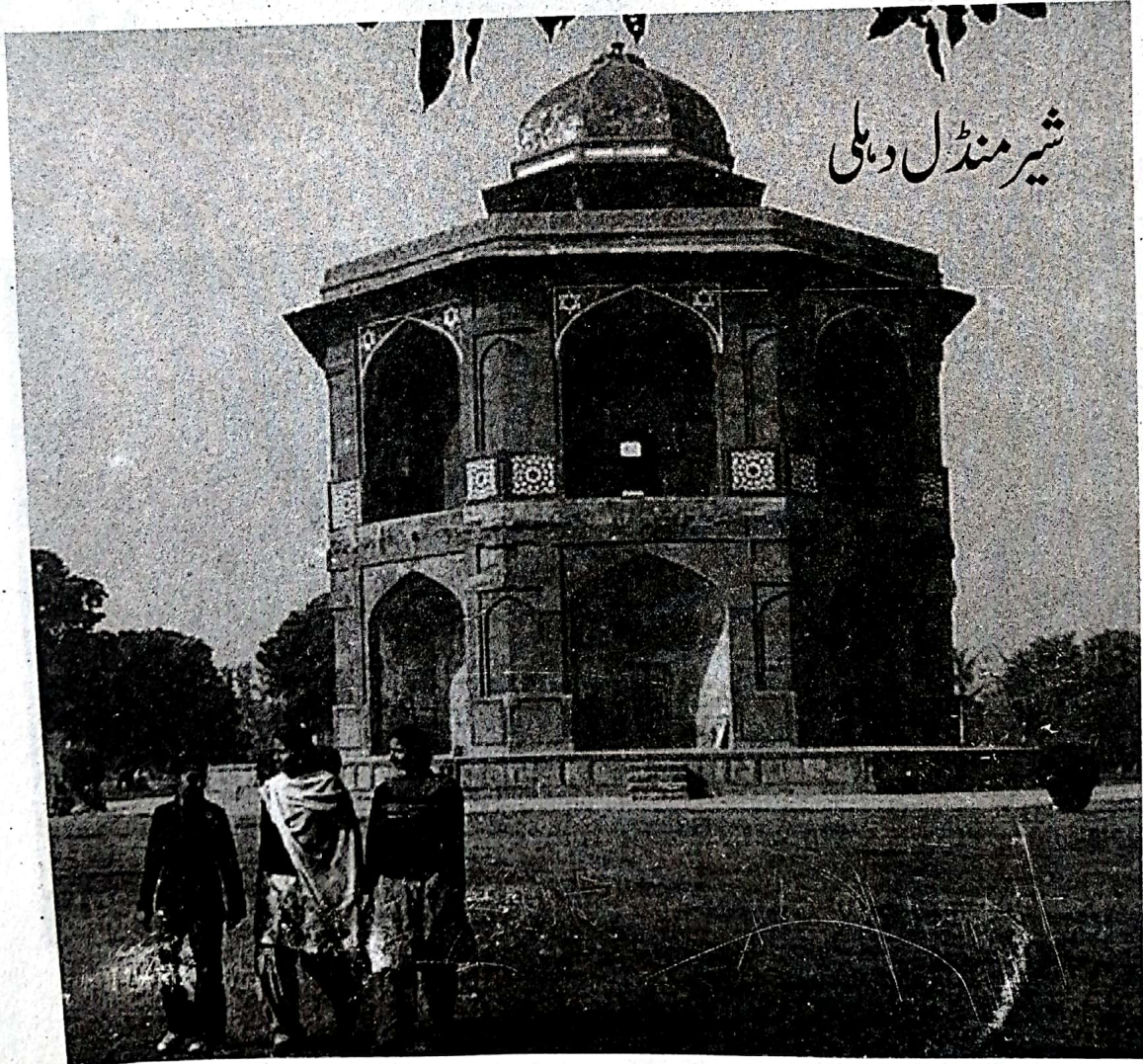
کتابیات

بنیادی مآخذات

1۔تواریخ دولت شیر شاہی از حسن علی خان مشمولہ Medieval India Quarterly, 1950,vol I+II;

2۔مآثر الامراء از شاہنواز خان اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مطبوعہ اردو سائنس بورڈ، لاہور 2004ء

3۔مراۃ الخیال از شیر علی خان لودھی 1102ھ مطبوعہ بمبئی 1313ء۔

4۔ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم اردو ترجمہ رشید اختر ندوی مطبوعہ سنگ میل لاہور۔

5۔تذکرۃ الواقعات از جوہر آفتاب چی از ترجمہ سید معین الحق 1955ء ری پرنٹ 2006ء فکشن ہاؤس لاہور۔

6۔تاریخ شیر شاہی از عباس خان شروانی اردو ترجمہ مظہر علی ولاء مطبوعہ سلمان اکیڈمی کراچی 1936ء

7۔واقعات مشتاقی از رزق اللہ مشتاقی، 1572ء (فارسی) مرتبہ اقتدار حسین صدیقی و وقار الحسن صدیقی، 2002، رام پور، رضا لائبریری۔

8۔افسانہ شاہان از محمد کبیر بن شیخ اسمعیل حزیانی ، 1605ء تقریباً، (فارسی) مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر حسین خان، 2005، پشاور، سوئی پرنٹرز۔

9۔تاریخ مبارک شاہی از یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی، 1434ء (فارسی سے انگریزی ترجمہ) مترجم ایچ بیوریج، ری پرنٹ 1996ء دہلی، لو پرائس پبلی کیشنز

10۔تاریخ مبارک شاہی از یحییٰ بن احمد سرہندی، 1434ء (فارسی سے اردو ترجمہ) مترجم

ڈاکٹر آفتاب اصغر، ری پرنٹ 2004، لاہور، اردو سائنس بورڈ

11۔تاریخ داؤدی از عبداللہ 1605ء تقریباً، (فارسی) مرتبہ شیخ عبدالرشید 1954ء، علی گڑھ، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی

12۔تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی از خواجہ نعمت اللہ ہروی، 1612ء (فارسی)، مرتبہ سید محمد امام الدین، 1906ء دو جلدیں، ڈھاکہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان۔

13۔تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی از خواجہ نعمت اللہ، 1612ء اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، 1478 ری پرنٹ 1986ء لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

14.Naimat Ullah's History of the Afghans, English Trans: by B.Dorn, London, Susilgupta.

15۔تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ 1611ء، اردو ترجمہ وترتیب، عبدالحئی خواجہ وڈاکٹر عبدالرحمٰن، ری پرنٹ 2004 لاہور، المیز ان۔

16۔تاریخ شاہی از احمد یادگار 1605ء (فارسی متن) مرتبہ ہدایت حسین ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ، 1939ء

17۔تاریخ شاہی یا تاریخ سلاطین افاغنہ از احمد یادگار 1605ء، (فارسی سے اردو ترجمہ) مترجم سید نذیر نیازی، 1939ء، ری پرنٹ، لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

18۔طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین احمد، 1593ء، اردو ترجمہ وترتیب از محمد ایوب قادری، 1990ء، لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

19۔آئین اکبری از علامہ ابوالفضل، 1597ء، اردو ترجمہ از مولوی محمد فدا علی طالب، ری پرنٹ 1988ء، لاہور، سنگ میل

20۔تاریخ شیر شاہی از عباس خان سروانی 1572ء، (فارسی) مرتبہ سید محمد امام الدین، 1964ء ڈھاکہ، یونیورسٹی آف ڈھاکہ۔

21۔خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے بھنڈاری بٹالوی، 1697ء،(فارسی سے اردو ترجمہ) مترجم ناظر حسین زیدی، 2002ء، ری پرنٹ، لاہور، اردو سائنس بورڈ۔

22۔آثار الصنادید از سر سید احمد خان، 1847ء، ایڈیشن 2003ء، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

23-Babar Nama by Babar Badshah, Translated from Turki text by Annettes. Beveridge, 1921, reprint 2003, Delhi, Low Price Publications.

24۔تزک بابری از ظہیر الدین بابر اردو ترجمہ از رشید اختر ندوی، مئی 1969ء لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز۔

25-The Tarikh-i-Rashidi by Mirza Haider Dughlat; 1541, Eng,Trans:by N. Elias, 18 reprint, Lahore, book traders

26-Tabqat-e-Babri by Zain Khan, 1527, Eng: trans: by S.Hasan Askari, 1979, published 1982, Delhi Idarahi-i-Adabiyat-i-Delhi.

27-Some Non Persian Sources of Medieval India by B.P. Ambastha, 1981, Idara Adabiyat-e-Dlli

28-Sher Shah Suri by Dr. Hussain Khan, Ferozsons-Lahore.

29-Bibliographical Index to the Historians of Muhammadan India by Sir, Henry M.Eliot, 1850, reprint 1976,Idara Adabiyate-e-Delli Delhi.

ثانوی ماخذات

30-An account of the Kingdom of Caubul by M.Elphinstone, 1815, reprint 1972, Oxford University Press, Karachi.

31۔سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ری پرنٹ 1990ء، لاہور نگارشات۔

32-Some Aspect of Afghan despotism in India by Iqtidar Hussain Siddiqui, 1969, reprint, Lahore, Book Traders.

33-The Afghan Nobility and the Mughals by Rita Joshi, 1985, Delhi, Vikas Publishing House.

34-Mughal Relations with the Indian Ruling Elite by Iqtidar Hussain Siddiqui, 1983, Delhi, Munshiram Manohar Lal.

35۔جام جم از سر سید احمد خان مشمولہ سر سید جلد نمبر 16۔1961ء، لاہور، مجلس ترقی ادب۔

36-History of the Lodhi Sultans of Delhi and Agra by Abdul Halim, 1974, Delhi, Idara Adabiyat-i-Delhi

37-The History of India as told by its own Historians, Ed: and Translated by H.M. Elliot and John Dowson, 1867-1877. reprint 2001, Delhi, Low Price

Publications 8 vols.

38-Twilight of the Sultanate by K.S. Lal, 1963, Delhi, Asia Publishing House.

39۔خلاصۃ الانساب از حافظ رحمت خان، 1761ء، (فارسی اے اردو ترجمہ) مترجمہ سعود الحسن خان روہیلہ، 2002ء، لاہور افغان ریسرچ سنٹر۔

40۔قصہ واحوال روہیلہ از رستم علی بجنوری، 1776ء مرتبہ قاضی عارف حسین 1989ء، واہ کینٹ، شعبہ تصنیف وتالیف۔

41۔رودکوثر از شیخ محمد اکرام، طبع دوازدہم 1988ء، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

42۔آب کوثر از شیخ محمد اکرام، طبع سیزدہم 1988ء، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ۔

43۔تقویم تاریخی مرتبہ عبدالقدوس ہاشمی، 1987ء، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی۔

44-The Muqaddimah by Ibn Khaldum, Eng: trans: by Franz Rosenthal, 3 Vols, 1967, Printston, University Press.

ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

کی دیگر کتب

اصل تحقیقات:

1۔جنرل بخت خان روہیلہ

2۔تاریخ لودھی پٹھان

3۔انسائیکلوپیڈیا: جنگ آزادی 1857ء کی شخصیات۔

4۔سلطان بہلول لودھی

5۔سلطان سکندر لودھی

6۔سلطان ابراہیم لودھی

7۔شیر شاہ سوری

8۔اردو زبان و ادب میں افغانوں کا حصہ۔

9۔تاریخ بنو امیہ (دو حصے)

10۔تاریخ بڑیچ

11۔رام پور۔تاریخ و ادب

12۔عورتوں میں پردے کا ارتقاء

13۔جنگ 1857ء: واقعات، تجزیات، دستاویزات (زیر طبع)

14۔قیس پٹھان

15۔مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر

16۔تاریخ بنی اسرائیل

17۔عالمی تاریخ وتہذیب: مشرق وسطیٰ
18۔مرادآباد: تاریخ وادب
19۔اٹلس سیرت محمد ﷺ
20۔اٹلس انبیاء وقرآن

تراجم وتحقیق وحواشی:۔

1۔ محمد رسول اللہ ﷺ (اردو ترجمہ)
2۔ بدائع وقائع از آنندرام مخلص (1751ء)
3۔ سفرنامہ بن گڑھ از آنندرام مخلص (1745ء)
4۔ فلسفے کے سو سال از جان پاسمور
5۔ علم سیاست از ارسطو۔(330ء ق م)
6۔ تذکرہ جنگ دہلی 1857ء از مبارک شاہ خان (1859ء)
7۔ آپ بیتی ابن خلدون از علامہ ابن خلدون (1405ء)
8۔ ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات از ڈاکٹر تاراچند
9۔ تبلیغی جماعت کا آغاز ونشوونما از یوگیندر سکند
10۔پٹہ خزانہ از محمد ہوتک ابن داؤد۔(1721ء)
11۔اسرار الافاغنہ از حسین ابن صابر (1585ء)
12۔تاریخ جنگِ آزادی ہند از خورشید مصطفیٰ رضوی (جدید کامل ایڈیشن)
مرتب: سعود الحسن خان روہیلہ
13۔واقعاتِ مشتاقی از رزق اللہ مشتاقی (1572ء)
14۔افسانہ شاہان از شیخ محمد کبیر (1612ء)
15۔تواریخ دولت شیر شاہی از حسن علی خان (1557ء)
16۔آپ بیتی ول ڈیورانٹ
17۔روہیکھنڈ میں افغانوں کی علمی وادبی خدمات از حکیم محمد حسین خان شفاؔ

18۔سندھ کی سماجی وثقافتی تاریخ ترجمہ: ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ

19۔خلاصۃ الانساب از حافظ رحمت خان (1761ء)

20۔بہار افغانیہ از حشمت علی خان (1923ء)

21۔تاریخ افغانی از شیخ عبداللہ جہان آبادی (1842ء)

22۔احوال قضیہ علی محمد خان روہیلہ از میر منشی ارشد (1745ء)

شیر شاہ سوری کے کردار کو تاریخ ہند کے ساتھ ساتھ افغان تاریخ میں بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے اس نے ایک مقامی جاگیردار کے طور پر اپنے کیریئر کا آغاز کیا اور 15 سال کے عرصے میں پورے ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ مغل مورخین نے اس کی شخصیت کے ساتھ کبھی انصاف نہیں کیا۔ البتہ مغل بادشاہ اور شہزادے و شہزادیاں اس کی سیاست و شرافت کے قائل تھے۔ شیر شاہ سوری کے اپنے دور کی تحریریں بہت کم ملتی ہیں خصوصاً اس کی ہم عصر تاریخ تو بالکل ناپید تھی۔ زیر مطالعہ تواریخ دولت شیر شاہی اس کے ایک قریبی دوست کی تحریر کردہ ہے جو اس کی وفات کے چند برس بعد ہی لکھی گئی ہے۔ اس طرح یہ کتاب ہم عصر تاریخ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں بہت سی نئی معلومات بھی ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا اہم عصر ماخذ لحیفہ کی ورتہ ہے جو دراصل شیر شاہ کی تخت نشینی سے چند ماہ قبل تحریر کی گئی ہے۔

ان دونوں ماخذوں کو آج تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ یہ زبردست تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی خلا کو پر کرنے کے لیے زیر نظر کتاب تیار کی گئی ہے۔ جس میں اصل فارسی متن بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب شیر شاہ پر کام کرنے والوں کے لیے انقلابی اہمیت کی حامل ہے۔

03004931200